نصرۃ میگزین

شوال-ذی القعدہ 1444ھ | مئی–جون 2023ء

شمارہ-72

نوید بٹ کی جبری گمشدگی

جمہوریت مسائل کی جڑ ہے

وفاقی شرعی عدالت کا سود کی ممانعت کا فیصلہ

انجینئر نوید بٹ

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان

نوید بٹ کو 11 مئی 2012 کے دن سیکورٹی اہلکاروں نے نوید کے پڑوسیوں اور اہلِ خانہ کے سامنے اغوا کیا

فہرست

اداریہ 3

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(240-242) 8

نویدبٹ کی جبری گمشدگی، 11 مئی 2012ء سے اب تک 16

جمہوریت مسائل کی جڑ ہے 22

وفاقی شرعی عدالت کا سود کی ممانعت کا فیصلہ : سرمایہ داریت کے بدنما روپ کے لئے محض ستر پوشی 35

نئی سیاست 43

نئی ریاست 54

ایمان کی تکمیل 63

ناگزیر معاشی بحران اور اسلام کا نور 67

پاکستان کی مسلح افواج کی قلیل فنڈنگ، بھارت کو علاقائی بالادست کے طور پر ابھرنے کی اجازت دینے کے لیے ہے 72

سوال وجواب: قضاء وقدر 81

سوال وجواب: کرنسی کا تبادلہ (exchange) 87

سوال وجواب: چین اور یوکرین میں امن کی پیشکش 91

میڈیا سرگرمیاں: آن لائن کانفرنس — نئی سیاست نئی ریاست صرف خلافت 101

اداریہ

پیارے نبی ﷺ کی قیادت میں اسلام کا عالمی سطح پر ظہور پذیر ہونے سے قبل اس وقت کی بڑی عالمی طاقتوں، سلطنتِ روم وفارس کو ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بحرانوں اور چیلنجوں کا سامنا تھا۔ موجودہ دور میں دنیا آج کی صفِ اول کی عالمی طاقت، امریکہ کو بحرانوں میں گھرا دیکھ رہی ہے، اور یہ بحران اب دوسری طاقتوں کو بھی گھیرنا شروع ہوگئے ہیں۔ یہ صورتحال مسلم دنیا کے لیے ایک موقع ہے جس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

سب سے پہلے، مسلمان اس بات پر غور کریں کہ کس طرح، اندرونی طور پر، امریکہ ایک گہری سیاسی تقسیم کی وجہ سے مفلوج ہو گیا ہے۔۔۔ 2024 میں ہونے والے صدارتی انتخابات پر دونوں جماعتوں کے توجہ کو مرکوز کرتے ہوئے، اسقاطِ حمل کے قوانین، ہتھیار رکھنے اور امیگریشن کے حق پر دو طرفہ سیاسی لڑائیاں شدید تر ہوتی جارہی ہیں۔ ریپبلکن اور ڈیموکریٹس کے درمیان جاری مقابلہ آرائی اب عدلیہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے تک پہنچ چکی ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ وہ پہلے سابق امریکی صدر بن گئے ہیں جن پر 34 کاروباری ریکارڈز میں جعل سازی کے الزام پر فرد جرم عائد کی گئی ہے، اور اس نے اپنے قصوروار ہونے سے انکار کیا ہے۔ روس، چین، ایران اور سعودی عرب کے معاملے میں شدید باہمی تضاد کے باعث، یہ تنازعہ امریکہ کی مربوط خارجہ پالیسی بنانے کی صلاحیت کو کمزور کر رہا ہے۔

کیا یہ وقت مسلم دنیا میں تبدیلی لانے کا ایک زبردست موقع نہیں ہے جبکہ امریکہ اندرونی سیاسی کشمکش میں الجھا ہوا ہے؟

دوم، مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ امریکہ معاشی طور پر مشکلات کا شکار ہے۔۔۔ فیڈرل ریزرو بورڈ آف گورنرز کی رکن لیزا ڈی نیل کک (Lisa DeNell Cook) نے 31 مارچ 2023 کو 'کلیولینڈ، اوہائیو، میں '2023 مڈویسٹ اکنامکس ایسوسی ایشن کے 87 ویں سالانہ اجلاس میں اپنے بیان میں کہا کہ، "معیشت کے سودی

حوالوں سے حساس شعبے (interest sensitive sectors) (زیادہ شرح سود کی وجہ سے) سُست روی کا شکار ہو چکے ہیں۔۔۔ درحقیقت، اس وقت مہنگائی کی صورتحال سال کے شروع کی نسبت زیادہ خراب ہے۔۔۔ جنوری اور فروری میں ملازمتیں حاصل کرنے میں کمی واقع ہوئی"۔ سنگین ہوتے اس معاشی بحران پر خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے۔

درحقیقت امریکی سرمایہ دارانہ معاشی نظام ناکام ہو رہا ہے۔ بڑے پیمانے پر سود کی ادائیگیاں معیشت پر بوجھ بن گئی ہیں۔ امریکہ کا مالیاتی نظام، رباء (سود) پر تشکیل دیا گیا ہے، خواہ وہ قرضوں کی شکل میں ہو یا مالی اسکیموں کی ایک بڑی تعداد ہو۔ مزید یہ کہ بینکاری کے شعبے میں مالیاتی بحران اب کرنسی کا بحران بن چکا ہے۔ ڈالر کے تیزی سے گرنے کے عمل کو روکنے کے لیے امریکی فیڈرل ریزرو نے شرح سود کو ریکارڈ سطح تک بڑھا دیا ہے۔ چونکہ بڑھتی ہوئی شرح سود کے باعث، کاروباری قرضہ جات مہنگے ہو چکے ہیں لہٰذا صنعتی پیداوار متاثر ہو رہی ہے، کاروبار مشکلات کا شکار ہیں اور جاب مارکیٹ ابتر ہو رہی ہے۔

جب امریکہ کو معاشی چیلنجز کا سامنا ہے، تو کیا یہ صورتحال مسلم دنیا کو خلافت کے دوبارہ قیام کا موقع فراہم نہیں کر رہی؟

سوئم، مسلمانوں کو دنیا بھر میں امریکی ڈالر کے انحطاط کے اثرات پر غور کرنا چاہیے۔۔۔ بین الاقوامی تجارت اور قرضوں کے لیے امریکی ڈالر پر عالمی انحصار کے ساتھ ساتھ ممالک کے مابین بینکوں کے مضبوط روابط کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کے اندرونی بحران کے ہمہ گیر اثرات دنیا کے چاروں طرف ہیں۔ یہ واضح ہے کہ کوئی بھی ریاست جو امریکی ڈالر کی بالادستی سے جڑی ہوئی ہے، وہ امریکہ کی اندرونی اقتصادی پالیسیوں کے اثرات کا شکار ہوتی ہے۔ امریکی فیڈرل ریزرو کی جانب سے شرح سود میں اضافے کے بعد جیسے جیسے ڈالر مضبوط ہوتا ہے، دنیا بھر کی ریاستوں کے قومی قرضوں میں اضافہ ہوتا ہے، اس طرح درآمدات کے اخراجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

مزید برآں، ڈالر کی صورتحال کے حوالے سے اپنی کرنسیوں کے تحفظ اور افراطِ زر کے سدِباب کے لیے، دوسری ریاستیں اپنے شرح سود میں اضافہ کر دیتی ہیں، جس سے صنعتوں میں بحران پیدا ہو جاتا ہے۔ 23 مارچ کو، بینک

آف انگلینڈ کی مانیٹری پالیسی کمیٹی (MPC) نے اہم ترین بینک ریٹ کو 0.25 فیصد پوائنٹس سے بڑھا کر 4.25 فیصد کر دیا، جو 15 سال میں اس کی بلند ترین سطح ہے۔ پاکستان کے اسٹیٹ بینک نے 4 اپریل 2023 کو اپنی کلیدی شرح سود کو 21 فیصد تک بڑھا دیا۔ صورتحال اتنی سنگین ہو چکی ہے کہ اب دنیا بھر میں "ڈی ڈالرائزیشن" (ڈالر سے نجات) کے حوالے سے بحث جاری ہے۔

کیا عالمی سطح پر امریکی ڈالر کی برتری اور تسلط پر بڑھتا ہوا عدم اعتماد مسلم دنیا کو یہ موقع فراہم نہیں کر رہا کہ وہ اس خسارہ زدہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام سے جان چھڑائے؟

چہارم، مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ جیسے جیسے امریکہ کمزور ہو رہا ہے، وہ عالمی سطح پر اپنے حریفوں کے ساتھ تنازعات کو ہوا دے رہا ہے تاکہ انہیں تنازعات میں الجھا کر اس قدر تھکا دے کہ وہ امریکہ کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھیں۔۔۔ آج بین الاقوامی منظر نامہ ان بڑی طاقتوں کے درمیان کشمکش سے پُر ہے جو کہ پہلے آپس میں اتحادی تھے۔ امریکہ، یوکرین پر تباہ کن جنگ کے ذریعے یوکرین اور یورپ کو روس کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ 4 اپریل 2023 کو صدر جو بائیڈن نے فن لینڈ کے نیٹو میں شمولیت کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا، "جب پیوٹن نے یوکرین کے لوگوں کے خلاف اپنی وحشیانہ جارحیت کی جنگ شروع کی، تو پیوٹن نے سوچا کہ وہ یورپ اور نیٹو کو تقسیم کر سکتا ہے"۔

چین کے حوالے سے، امریکہ عالمی سپلائی چینز پر انحصار سے پیدا ہونے والی اپنے معاشی کمزوری کے بارے میں فکر مند ہے، یہ وہ سپلائی چینز ہیں جو امریکہ نے بیرون ملک قائم کیں تاکہ سستی مزدوری اور وسائل کا استحصال کر سکے۔ چین کی جانب سے بڑھتے ہوئے خدشات کی وجہ سے اب یہ سپلائی چینز ایک بوجھ بن رہی ہیں۔ 3 اپریل 2023 کی اپنی پریس ریلیز میں، امریکہ کے نیشنل کاؤنٹر انٹیلی جنس اینڈ سیکیورٹی سینٹر نے اپنی تشویش کو دہرایا کہ، "قومی ریاستوں اور دیگر مضر عوامل نے امریکی حکومت اور صنعت سے منسلک اہم سپلائی چینز سے فائدہ اٹھانے کے لیے

اپنی کوششیں تیز کردی ہیں" یہ بیان خاص طور پر اکیلے چین کی نشاندہی کر رہا ہے۔ چین اور امریکہ کے درمیان تناؤاب تائیوان کے مسئلہ کے ساتھ ساتھ جنوبی کوریا اور تبت کے مسئلے پر بھی شدت اختیار کر رہا ہے۔

ایک ایسے وقت میں جب شدید مشکل اقتصادی چیلنجوں کے باوجود عالمی سطح پر تنازعات کی آگ بھڑک رہی ہے، امریکی فوج نے مزید فنڈنگ پر زور دیا ہے۔ 29 مارچ 2023 کو، چیئر مین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف آرمی جنرل مارک اے ملی، جس نے آج ہاؤس آرمڈ سروسز کمیٹی کی سماعت میں محکمہ دفاع کی مالی سال 2024 کے بجٹ کی درخواست کے بارے میں تصدیق کی، نے کہا، "اگر امریکہ، چین اور روس کے درمیان امن کو جاری رکھنا ہے تو کرۂ ارض پر امریکہ کو سب سے طاقتور ریاست کے طور پر رہنا ہو گا"۔

کیا بڑی طاقتوں کے درمیان بین الاقوامی تنازعہ خلافت کے دوبارہ قیام کا موقع فراہم نہیں کر رہا؟

پانچویں بات یہ ہے کہ مسلمان اس بات پر بھی غور کریں کہ امریکہ، افغانستان اور عراق میں بدترین شکست کے بعد دوبارہ مسلم دنیا میں داخل ہونے سے شدید خوفزدہ ہے۔ امریکی پالیسی ساز اندرونی طور پر عراق اور افغانستان کی ناکامیوں سے حاصل ہونے سبق پر بحث کر رہے ہیں۔ 6 اپریل 2023 کو، وائٹ ہاؤس نے "افغانستان سے امریکی انخلاء" کی رپورٹ جاری کرنے کا اعلان کیا۔ رپورٹ میں، ڈیموکریٹک حکومت نے سابقہ ریپبلکن حکومت پر "چار سالہ غفلت" کا الزام لگایا۔ جی ہاں، یہ رپورٹ امریکہ میں دوطرفہ شدید سیاسی تقسیم کی نشاندہی کر رہی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی تصدیق بھی کر رہی ہے کہ امریکی فوج اپنی بزدلی کی وجہ سے مفلوج ہے۔ جب امریکی فوجوں کو انتہائی حوصلہ مند مسلم جنگجوؤں کا سامنا کرنا پڑا، جو شہادت اور فتح کے متلاشی تھے، تو امریکی فوجیں خونی مزاحمت کی دہشت کے مارے ڈپریشن (ذہنی دباؤ) کا شکار ہوتی گئیں اور ان میں خودکشی کے رجحان اور واقعات بڑھنے لگے۔

اس کے علاوہ، امریکہ مشرق وسطیٰ میں تنازعات کو ٹھنڈا کرنے کی کاوشیں کر رہا ہے، کیونکہ وہ اپنی توجہ چین کے ساتھ صف آرائی پر مرکوز رکھنا چاہتا ہے۔ 11 اپریل 2023 کو امریکی قومی سلامتی کے مشیر جیک سلیوان نے سعودی ولی عہد اور وزیر اعظم محمد بن سلمان السعود کو فون کیا۔ اس کال کے حوالے سے وائٹ ہاؤس سے جاری ہونے

والی پریس ریلیز کا بنیادی نکتہ یہ تھا: "یمن میں جنگ کے خاتمے سے متعلق جاری سفارت کاری "اور "خطے میں کشیدگی میں کمی کی جانب وسیع تر رجحانات "۔

اس وقت کہ جب امریکہ، روس اور چین کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلم دنیا سے اپنی توجہ ہٹا رہا ہے، تو کیا یہ خلافت کے دوبارہ قیام کا موقع نہیں ہے؟

چھٹی اور آخری بات یہ کہ مسلمان اس بات پر غور کریں کہ مسلمانوں کے موجودہ حکمران امریکہ کی گرتی ہوئی طاقت اور بین الاقوامی صورتحال سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ کیونکہ ان کی اپنی بقا کا انحصار امریکی بین الاقوامی نظام کے تسلسل پر ہے۔ اس موقع سے اسلامی امت صرف مسلح افواج میں موجود اپنے بیٹوں کے ذریعے ہی فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ مسلمانوں کو اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اس سے پہلے کہ یہ موقع ختم ہو جائے۔ مسلمان، مسلم افواج میں موجود اپنے بیٹوں، بھائیوں اور والدوں سے مطالبہ کریں کہ وہ عظیم انصارؓ کے راستے پر چلیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکمرانی کے قیام کے لیے نُصرۃ (مادی مدد) فراہم کریں۔ یہ نبوت کے نقش قدم پر قائم خلافت ہی ہو گی جو امت اسلامیہ کو اس کے مستحق مقام تک پہنچا دے گی، پوری انسانیت کا خیال رکھنے والی سرپرست ریاست، جیسا کہ یہ صدیوں تک رہی تھی۔ لہٰذا مسلمانوں کو یہ موقع کسی صورت نہیں کھونا چاہیے، اور فوری حرکت میں آنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ ایسے کام کریں جو اللہ عزوجل کی اطاعت والے ہوں، تاکہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نصر حاصل کر سکیں۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا،

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

"اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اللہ انہیں زمین پر (ان حکمرانوں کی بجائے) ضرور حکمرانی عطا فرمائیگا جیسی اس نے پہلوں کو دی"۔ (النور، 24:55)

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(240-242)

جلیل قدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (240)وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (241) كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (242)

"اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو انہیں اپنی بیویوں کے لیے سال بھر کے لیے گزارہ کے واسطے وصیت کرنی چاہیئے گھر سے باہر گئے بغیر پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ عورتیں اپنے حق میں دستور کے موافق کریں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے(240)اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے دستور کے موافق خرچ دینا پرہیزگاروں پر یہ لازم ہے(241)اسی طرح اللہ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ لو(242)"

ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالی بیان فرماتے ہیں:

1. یقیناً شوہروں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی وفات کے وقت یہ وصیت کریں کہ ان کی بیویوں کو سال بھر رہائش اور نان نفقہ فراہم کیا جائے اور سرپرستوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ انھیں گھر چھوڑنے پر مجبور کریں اور ان کا نان نفقہ سال کے آخر تک جاری رہے گا، سوائے یہ کہ وہ خود اپنی مرضی سے گھر میں رہنا چھوڑ دیں، سال کے اختتام پر ان کو خرچ دینے کی ذمہ داری بھی ختم ہو جاتی ہے،اس کے بعد عورت اور اس کے ورثا پر عورت کے سوگ ختم کرنے، خوبصورت لباس پہننے یا خوشبو لگانے وغیرہ جیسے ان کے ذاتی کاموں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ وہ اس کی جیسی دیگر عورتوں کے طور طریقوں کے مطابق ہو، اور ان کے عوامی اور نجی زندگی سے متعلق شرعی احکامات کے تحت وہ کام انجام دیے جائیں۔

اللہ رب العزت اس آیت کا اختتام یوں فرماتے ہیں کہ وہ اپنے حکم پر غالب ہے اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں، اپنے بندوں کو صرف وہی حکم دیتا ہے جس سے بندوں کے کام درست ہوتے ہیں، یہی معنی ہیں (وَاللّٰهُ عَزِيز حَكِيم) کے۔

(وصيةً لِّأزوَاجِهِم)" وہ وصیت کریں"، یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے ان لوگوں سے ایک مطالبہ ہے جن کی موت قریب ہو، مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں۔

اور یہ طلبِ جازم (حتمی) ہے، حتمی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے **(وَالَّذِين يُتَوَفَّوْنَ مِنكُم)** ذکر فرمایا ہے یعنی **"تم میں سے جو مر جائیں"**۔ آیت کے ان الفاظ میں اس بات پر دلالت اشارہ موجود ہے، کہ یہ حکم مرے ہوئے شوہروں پر واجب ہے، یعنی اگر وہ وصیت کئے بغیر مر گئے تو وصیت ان کے ذمے باقی رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے یہ نہیں کہا کہ (اذا حضرتهم الوفاة) "کہ ان کی موت کا وقت آجائے" بلکہ یہ کہا کہ **(وَالَّذِين يُتَوَفَّوْنَ مِنكُم) "تم میں سے وہ لوگ جو مر جائیں"** تو اس منطوق **(وَالَّذِين يُتَوَفَّوْنَ مِنكُم)** کا مقصد مجازاً اگرچہ وہی ہے کہ "وہ لوگ جن کی موت قریب ہو وہ وصیت کریں" مگر اس معنی کے لیے ان الفاظ کے بجائے **(وَالَّذِين يُتَوَفَّوْنَ)** کے الفاظ لانے میں ایک اور بات پر دلالت اشارہ موجود ہے، اور وہ یہ کہ اگر وہ وصیت کیے بغیر مر جائیں تو یہ وصیت ان کے ذمے باقی رہے گی۔

(مَتَاعًا اِلَى الحَولِ غَيرَ اِخرَاجٍ) "سال بھر کے لیے ان کا خرچہ اور رہائش"۔ ابتدائے اسلام میں حکم یہی تھا کہ مرد پر یہ واجب تھا کہ اپنی وفات کے وقت اپنی بیوی کے لیے اپنے بعد ایک سال تک نفقہ اور رہائش کی وصیت کرے اور ایک سال تک اس پر نفقہ اور رہائش فراہم کرنا واجب تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت **(وَالَّذِين يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا)" اور جو تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان بیویوں کو چار مہینے دس دن تک اپنے نفس کو روکنا چاہیئے"** (البقرۃ: 234) نازل کی۔ اس آیت میں عورتوں پر ان کے شوہروں کے مرنے کے بعد 4 ماہ اور 10 دن کی عدت گزارنا فرض کیا گیا۔ اب اس آیت کے

نزول کے بعد مردوں پر انہی چار مہینوں اور دس دنوں کا نفقہ اور رہائش فراہم کرنا واجب ہے، اب یہی عدت مقرر ہوئی۔

گویا پہلے عدت کا معاملہ شوہروں کی وصیت پر منحصر رکھا گیا تھا اب جو نیا حکم دیا گیا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عدت کو شوہر کی وصیت پر نہیں چھوڑا، یعنی عدت کی مدت کا تعین ان کی وصیت کی بنیاد پر نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ بالا آیت (**وَالَّذِينَ يُتَوَفَّونَ مِنكُم...... مَتَاعًا اِلَى الحَولِ غَيرَ اِخرَاجٍ**) میں ذکر ہے بلکہ عدت کو اللہ رب العزت نے متعین کیا اور اسی کے اندر نفقہ اور رہائش کو واجب قرار دیا، اس سے زیادہ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آیت (**وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا**) **"اور جو تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان بیویوں کو چار مہینے دس دن تک اپنے نفس کو روکنا چاہیئے"** (البقرۃ:234) نے جس میں چار مہینے دس دن عدت کا ذکر ہے، اس نے (**وَالَّذِينَ يُتَوَفَّونَ مِنكُم...... مَتَاعًا اِلَى الحَولِ غَيرَ اِخرَاجٍ**) کو منسوخ کر دیا جس میں سال بھر کے نفقہ اور رہائش کی وصیت کا ذکر ہے۔ اور اس کے نازل ہونے کے بعد جس کا شوہر فوت ہوا اس کے لیے اس کے وراثت والے حصہ کے علاوہ کوئی رہائش اور نفقہ نہیں ہے۔

وراثت میں مرد کی بیوی کا حصہ ایک چوتھائی ہے، اگر مرد کا کوئی بچہ نہ ہو، اور آٹھواں حصہ ہے اگر اس کا کوئی بچہ ہو، جیسا کہ سورہ النساء میں ہے کہ (**وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ**) **"اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کا ایک چوتھائی اُن (بیویوں) کا ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر تمہارا کوئی اولاد ہو تو اُس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو، اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا"** (النساء:12)۔

یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ سورۃ البقرہ کی وہ آیت 142 تلاوت میں مقدم ہے، تو یہ کس طرح موخر آیت 144 کو منسوخ کر سکتی ہے؟ کیونکہ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ آیت اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے لیکن نزول میں مؤخر ہے، (یعنی یہ دو آیتیں تلاوت میں آگے پیچھے ہیں) لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ اس کو رکھنے کا حکم اس لیے دیا کیونکہ قرآن کی سورتوں میں آیتوں کی ترتیب توقیفی (من جانب اللہ) ہے۔ اس کی حکمت صرف اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

اس کی ایک مثال یہ آیت ہے: (سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلاَّهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ)"بے وقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے کہہ دو مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے" (البقرۃ:142)۔ یہ آیت تلاوت میں اس آیت، (قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ)" بے شک ہم آپ کے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں پس اب اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیئے اور جہاں کہیں تم ہوا کرو اپنے مونہوں کو اسی کی طرف پھیر لیا کرو"(البقرۃ:144) سے پہلے ہے۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ آیت نمبر 142 آیت نمبر 144 کے بعد نازل ہوئی تھی، اس پر ہم پہلے بات کر چکے ہیں۔

ابن جریر نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، اُنھوں نے یہ آیت (وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ)"اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو انہیں اپنی بیویوں کے لیے سال بھر کے لیے گزارہ کے واسطے وصیت کرنی چاہیئے گھر سے باہر گئے بغیر پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ عورتیں اپنے حق میں دستور کے موافق کریں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے" تلاوت فرمائی اور اس کی تفسیر میں فرمایا کہ: پہلے ایسا تھا کہ جب کوئی مرد مر جاتا اور بیوی چھوڑ

کر جاتا تو وہ ایک سال اس کے گھر میں گزارتی تھی اور اس کے مال میں سے اس پر خرچ کیا جاتا تھا۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا (**فَإِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ**) **"پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ عورتیں اپنے حق میں دستور کے موافق کریں"**۔ یہ اس عورت کی عدت ہے جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو، البتہ اگر وہ حاملہ ہو تو اس صورت میں اس کی عدت وضع حمل یعنی بچہ کی پیدائش ہے۔ اور اس کی وراثت کے بارے میں فرمایا: (**وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ**) **"اور عورتوں کے لیے چوتھائی مال ہے جو تم چھوڑ کر مرو بشرطیکہ تمہاری اولاد نہ ہو پس اگر تمہاری اولاد ہو تو جو تم نے چھوڑا اس میں اُن کا آٹھواں حصہ ہے" (النساء:12)**، اس آیت میں شوہر کی اولاد کی موجودگی کی صورت میں آٹھواں اور موجود نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی حصہ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عورت کی وراثت میں حصہ واضح کیا اور وصیت اور کفالت کو چھوڑ دیا۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت اسلام کے شروع میں تھی اور اس میں فوت ہونے والے شوہروں پر ان کی بیویوں کے لیے ایک سال تک ان کی کفالت اور رہائش کی ذمہ داری عائد کی گئی تھی اور ورثاء کے لیے ان کو مکان سے بے دخل کرنا یا سال بھر کے نفقہ کو ان سے روکنا منع تھا۔ جب تک کہ وہ خود گھر سے باہر نہ نکلیں۔

اگر وہ اپنی مرضی سے باہر نکل جائیں اور رہائش چھوڑ دیں تو ان کی کفالت کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اور اس صورت میں شریعت کی چوکھٹ کے اندر رہتے ہوئے وہ جو ذاتی کام کرنا چاہیں، جو لباس پہنیں یا خوشبو لگائیں، وغیرہ تو اس میں نہ تو سرپرستوں پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان عورتوں پر۔ اس آیت (**فَإِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ**) **"پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ عورتیں اپنے حق میں دستور کے موافق کریں"** میں یہی بیان کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آیت (**وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا**) **"اور جو تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان بیویوں کو چار مہینے دس دن تک اپنے نفس کو روکنا چاہیئے"** (البقرۃ: 234) نازل ہوئی۔ اس

آیت نے کفالت اور رہائش کی ذمہ داری کو منسوخ کر دیا اور اسے (چار مہینے دس دن) کی عدت تک محدود کر دیا۔ اور عورت کے لیے صرف اس کی عدت کے دوران کفالت اور رہائش کو فرض قرار دے دیا۔

امام مالک نے موطّا میں روایت کیا ہے کہ أَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تَسْأَلُهُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ فَإِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ أَبَقُوا حَتَّى إِذَا كَانُوا بِطَرَفِ الْقَدُومِ لَحِقَهُمْ فَقَتَلُوهُ قَالَتْ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي فِي بَنِي خُدْرَةَ فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْنِي فِي مَسْكَنٍ يَمْلِكُهُ وَلاَ نَفَقَةٍ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **نَعَمْ قَالَتْ فَانْصَرَفْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ نَادَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَوْ أَمَرَ بِي فَنُودِيتُ لَهُ فَقَالَ كَيْفَ قُلْتِ فَرَدَّدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ لَهُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِي فَقَالَ امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَسَأَلَنِي عَنْ ذَلِكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَاتَّبَعَهُ وَقَضَى بِهِ.** "الفریعہ بنت مالک بن سنان رضی اللہ عنہا جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں، یہ پوچھنے کے لیے کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس بنی خدرہ واپس جائیں، کیونکہ ان کے شوہر اپنے ان غلاموں کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے تھے جو بھاگ گئے تھے، جب وہ مقام قدوم کے کنارے پر ان سے ملے، تو ان غلاموں نے انہیں مار ڈالا۔ فریعہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤں؟ کیونکہ میرے شوہر نے میرے لیے اپنی ملکیت کا نہ تو کوئی مکان چھوڑا ہے اور نہ کچھ خرچ۔ وہ کہتی ہیں کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں''، وہ فرماتی ہیں: چنانچہ میں واپس جانے لگی یہاں تک کہ میں حجرہ شریفہ میں ابھی پہنچ ہی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی۔ (یا آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مجھے بلایا جائے) پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم نے کیا کہا؟ میں نے وہی قصہ دہرا دیا جو میں نے آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں ذکر کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے گھر ہی میں رہو یہاں تک کہ تمہاری عدت ختم ہو جائے''، چنانچہ میں نے اسی گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری۔ پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مجھے بلوایا اور مجھ سے اس بارے میں پوچھا تو میں نے ان کو بتایا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس کی پیروی کی اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا"۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح حسن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا اختتام یہ ارشاد فرما کر کیا کہ (**وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ**)"**اللہ اپنے حکم پر غالب ہے**"اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں، وہی حکم دیتا ہے جس میں بندوں کی بھلائی ہو اور جس میں ان کا حقیقی مفاد رکھا ہوا ہو، لہٰذا وہ اس کے حکم کی تعمیل کریں اور اس کے منع کردہ اُمور سے بچیں تاکہ انہیں دنیا اور آخرت میں کامیابی ملے۔

2. دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان طلاق یافتہ عورتوں کے لیے سامان واجب ہونے کی تاکید کی جن سے مباشرت نہ کی گئی ہو اور جن کے لیے مہر بھی متعین نہ کیا گیا ہو پچھلی آیت میں آیا تھا: (**وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ، وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ**)" اور **انہیں کچھ سامان دے دو وسعت والے پر اپنے قدر کے مطابق اور مفلس پر اپنے قدر کے مطابق سامان حسب دستور ہے نیکو کاروں پر یہ حق ہے**"(البقرۃ:236)، تو مسلمانوں میں سے ایک نے کہا: اگر میں بھلائی کرنا چاہوں تو کرلوں گا، نہ چاہوں تو نہیں کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر بیان کیا کہ اس قسم کی مطلقہ عورتوں کو سامان دینا فرض ہے (**حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ**)"**پرہیزگاروں پر یہ لازم ہے**"۔ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں یہ سب بیان کر دیا ہے۔

اس آیت اور پچھلی آیت کا طلاق کی سابقہ آیات کے ساتھ تعلق ہے، وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے پچھلی آیت (**وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِم**)"**تو انہیں اپنی بیویوں کے لیے وصیت**" اپنے سے پہلے والی آیت (**يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا**) "**ان کو چار مہینے دس دن تک اپنے نفس کو روکنا چاہیئے**" سے منسوخ ہے۔ اور (**وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ**)"**اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ**" والی آیت (**وَمَتِّعُوهُنَّ**)"**ان کا خرچ**" میں موجود ابہام کو دور کرنے کے لیے ہے اور یہ واضح کرنے کے لیے کہ یہ سامان دینا فرض ہے۔

3. آخری آیت (**كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ، لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ**)"**اسی طرح اللہ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ لو**" میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل کیے تاکہ تم انہیں

سمجھو،اوران میں غور کرواوران احکام کو نافذ کرو، کیونکہ اس میں تمھارے لیے بیوی بچوں اور تمام دیگر معاملات کے حساب سے دین ودنیا کی بھلائی ہے۔

فہرست

نوید بٹ کی جبری گمشدگی، 11 مئی 2012ء سے اب تک

مصعب عمیر - پاکستان

نوید بٹ، جو چار بچوں کے والد ہیں، انہیں پاکستان کے شہر لاہور سے اس وقت اغوا کیا گیا تھا جب وہ اپنے چھوٹے بچوں کو اسکول سے لے کر گھر واپس آرہے تھے۔ انہیں حکومت کے سیکیورٹی اہلکاروں نے اغوا کیا جس کی گواہی ہمسایوں اور اہلِ خانہ نے بھی دی۔ 11 مئی 2012ء کو ان کی گمشدگی کے بعد سے اب تک گیارہ برس کا عرصہ بیت چکا ہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے نوید بٹ کی اہلیہ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لئے مسلسل تگ ودو کی ہے۔ انہوں نے پاکستان کی مختلف عدالتوں میں بے شمار درخواستیں دائر کی ہیں۔

4 جنوری 2018ء کو جبری گمشدگیوں کے پاکستان انکوائری کمیشن نے اپنے حوالہ نمبر ColoED ID No. 860-P میں نوید بٹ کے پروڈکشن آرڈر جاری کیے۔ اس آرڈر میں درج ہے کہ "اس کیس کی کاروائی کے دوران حاصل کئے گئے ثبوت کی بنیاد پر، انکوائری کمیشن کو شک ہے کہ گمشدہ شخص نوید بٹ ... کو اسٹیبلشمنٹ کے خفیہ اہلکاروں نے اُٹھایا تھا اور انہیں غیر قانونی حراست میں رکھا ہوا ہے"۔ پروڈکشن آرڈر میں پھر یہ درج ہے کہ "انکوائری کمیشن کو یہ ہدایات دیتے ہوئے خوشی ہے کہ نوید بٹ ... کو پانچ ہفتوں کے اندر اندر ... انکوائری کمیشن کے سامنے پیش کیا جائے، اور اس میں ناکامی کی صورت میں قانون کے مطابق کاروائی عمل میں لائی جائے گی"۔

نوید بٹ پاکستانی حکام اور اداروں کے ہاتھوں تاحال اغوا ہیں اگرچہ وہ ادارے ان کی حراست میں ہونے کے بارے میں، حتیٰ کہ ان کا کسی قسم کا اتا پتہ معلوم ہونے کے بارے میں بھی مسلسل انکاری ہیں!

نوید بٹ پیشے کے اعتبار سے الیکٹریکل انجینئر ہیں۔ انہوں نے امریکہ کی یونیورسٹی آف الینوئے سے تعلیم حاصل کی اور کچھ عرصہ شکاگو میں کام کرنے کے بعد پاکستان لوٹ آئے۔ وہ ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان

ہیں۔ جب وہ آزاد تھے تو وہ حکمرانوں کی ناانصافیوں اور امریکی احکامات کی غلامی کرنے کے خلاف آواز اٹھاتے تھے۔ انہوں نے پاکستان میں اسلامی نظام اور اسلام کی حکمرانی کی وکالت کرتے ہوئے پاکستانی حکام کی کرپشن پر تنقید کی۔

نوید نے 2001ء میں امریکی صدر جارج بش کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سابق صدر پرویز مشرف کی حمایت کرنے کے خلاف پاکستان میں مظاہروں کی قیادت کی۔ 2004ء میں انہوں نے مشرف کے عراق پر امریکی حملے کی حمایت میں فوج بھیجنے کے منصوبے کے خلاف میڈیا کیمپین کی۔ 2008ء میں انہوں نے پاکستان کے لیے خلافت کا منشور پیش کرنے کے ساتھ ساتھ خلافت کی تفصیلات کے بارے میں بیداری پیدا کی۔ 2011ء میں انہوں نے ایبٹ آباد پر امریکی حملے میں پاکستانی حکمرانوں کی سہولت کاری کی مذمت کرتے ہوئے ایک مہم کی قیادت کی۔

یقیناً نوید کو پاکستان کے بااثر حلقات میں بخوبی جانا اور مانا جاتا ہے جن میں سے بہت سے لوگوں سے وہ ذاتی طور پر کئی بار ملاقاتیں کر چکے ہیں۔ اور آج تک وہ لوگ نوید بٹ کی خیر خبر دریافت کرتے رہتے ہیں، کبھی ظالموں کے ظلم کے ڈر سے اور کبھی نوید کی خیریت کی تشویش میں۔

اے پاکستان کے مسلمانو اور خصوصاً صحافی، وکلاء اور انسانی حقوق کے لئے سرگرم کارکنان!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَن يَعُمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ»** "**اگر لوگ کسی ظالم کو ظلم کرتا دیکھیں اور اسے اس ظلم سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ کا عذاب ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا**" (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)۔ ریاستی غنڈوں کی طرف سے نوید بٹ کا اغوا ایک کھلم کھلا جبر اور ظلم و زیادتی ہے جس پر آپ خاموش نہیں رہ سکتے۔

مزید برآں، نوید بٹ کے گھر والوں کو بھی ان کے ساتھ اس اذیت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

نوید بٹ کی اہلیہ، جو کہ ایک تعلیم یافتہ وکیل ہیں، ان کا کہنا ہے "میرے شوہر نوید بٹ بہت نرم مزاج اور شفیق انسان ہیں۔ وہ اپنے پورے خاندان کے لئے ہر دلعزیز ہیں۔ ان کی بہنیں اور بھائی ان کی اس طویل گمشدگی سے دل

برداشتہ ہو چکے ہیں۔ ہمارے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ ہمارا سب سے چھوٹا بیٹا ابھی صرف دو سال کا تھا جب نوید کو اغوا کیا گیا۔ آج جب وہ اپنے والد کے بارے میں سوال کرتا ہے تو میں اس سے یہ کہتی ہوں کہ انہیں جس جرم کی پاداش میں حبسِ بے جا میں رکھا جارہا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کی بات کرتے ہیں اور صرف اللہ تبارک تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ ہی انہیں اس ظلم سے آزاد کرا سکتی ہے۔ میری بیٹی اپنے والد کو پہلے سے بھی زیادہ یاد کرتی ہے اور اپنے والد کی رہائی کے لئے دن رات دعائیں مانگتی رہتی ہے"۔

نوید کے اغوا کے چار سال بعد، جب ان کی بیٹی، مریم جو ابھی محض دس سال کی تھی تو وہ یہ کہا کرتی تھی، "میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میرے ابو گھر آجائیں۔ ہر کوئی اپنے والدین سے محبت کرتا ہے۔ اکثر کبھی کسی کے والد یا والدہ اپنے بچوں کو ڈانٹ بھی دیتے ہیں لیکن تب بھی وہ اپنی اولاد سے بہت پیار کرتے ہیں۔ جب بھی میرے ابو گھر سے کام پر جانے کے لئے باہر نکلتے، تو میں انتہائی بے چینی سے ان کا انتظار کرتی تھی۔ اور جب وہ گھر واپس آتے تو میں بھاگ کر ان کے پاس جاتی اور ان کی گود میں بیٹھ جاتی۔ چار سال بیت گئے لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آئے... جب بھی میں کسی کے ابو کو اپنے بچوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کرتے دیکھتی ہوں تو مجھے اپنے ابو بہت یاد آتے ہیں"۔

اے پاکستان کے مسلمانو اور خصوصاً صحافی، وکلاء اور انسانی حقوق کے لئے سرگرم کارکنان!

نوید بٹ نے صرف ہمارے لئے اور ہمارے دین کے لئے حق کی آواز بلند کی اور اس کے لئے انہیں سزا دی جارہی ہے۔

ملک میں ہونے والے ظلم و ناانصافی کے خلاف حق کی آواز بلند کرنے اور سرگرمِ عمل رہنے پر انہیں ریاست کی جانب سے مسلسل دھمکیاں ملتی رہتی تھیں۔ انہیں کئی بار گرفتار بھی کیا گیا اور وہ مسلسل خطرے کی زد میں تھے۔ اپنے اغواء سے چند ہفتے پہلے تک نوید کو گمنام نمبروں سے دھمکی آمیز فون کالز آتی تھیں۔

نوید بٹ کو ریاست کی جانب سے مشکوک سکیورٹی اہلکاروں نے اغوا کیا اور ایک وین میں ساتھ لے گئے جسے ان کے بچوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا جو اس وقت دس، نو اور چھ سال کی عمر کے تھے۔ اور ان کا سب سے چھوٹا بیٹا ابھی محض دو سال کا تھا۔

انہیں سکیورٹی فورسز نے اپنی حراست میں رکھا ہوا ہے اگرچہ وہ ادارے یہ ماننے سے انکاری ہیں کہ نوید ان کے پاس ہیں یا وہ ان کی موجودگی کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ نوید کی جسمانی اور ذہنی صحت کی خیر خبر کے حوالے سے بھی کچھ معلوم نہیں، اور ان کے گھر والوں کو ان گیارہ برسوں میں ان کی حالت کے بارے میں کوئی خبر نہیں مل سکی۔ ان کی حالت کے بارے میں کوئی سرکاری بیان یا تصدیق سامنے نہیں آئی۔

البتہ غیر سرکاری ذرائع سے نوید کے گھر والوں کو یہ اطلاعات دی گئی ہیں کہ نوید بٹ کو کڑی تفتیش سے گزارا گیا ہے۔ ایک سرکاری اہلکار نے تو یہ شکایت تک کی کہ انتہائی شدید تشدد کے باوجود، نوید بٹ ڈٹے رہے اور انہوں نے اپنا مضبوط مؤقف رتی بھر بھی نہیں بدلا۔

اے پاکستان کے مسلمانو اور خصوصاً صحافی، وکلاء اور انسانی حقوق کے لئے سرگرم کارکنان!

جبری گمشدگیاں برطانوی استعماری راج کا ورثہ ہے اور موجودہ امریکی راج کا ایک اہم ستون ہے۔

دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کے اوائل میں جبری گمشدگی کی کاروائیاں بڑے پیمانے پر کی گئیں، مردوں اور عورتوں کو غائب کیا گیا اور انہیں دوسرے ملکوں کے حوالے کر دیا گیا۔ پاکستان اس سے کچھ مختلف نہ تھا۔

مارچ 2022ء میں جبری گمشدگیوں پر کمیشن نے یہ انکشاف کیا کہ صرف اسی ایک ماہ کے دوران 76 افراد کے لاپتہ ہونے کی رپورٹ سامنے آچکی ہے۔

جبری گمشدگی وہ ہوتی ہے جب کسی شخص کو "ریاست یا سیاسی ادارے کی جانب سے خفیہ طور پر اغوا کیا جائے یا اسے حراست میں ڈالا جائے، یا کسی ریاست یا سیاسی ادارے کی ایماء، حمایت اور رضامندی پر کوئی تیسری ایجنسی اپنی حراست میں لے لے اور پھر وہ اس شخص کا اتا پتہ اور موجودگی کے بارے میں انکار کر دیں تاکہ ظلم کا شکار بننے والے شخص کو قانونی تحفظ حاصل کر سکنے سے دور رکھا جائے"۔

ڈیفنس آف ہیومن رائٹس پاکستان گزشتہ برسوں سے گمشدگی کے ان مقدمات کو درج کر رہا ہے، اور دسمبر 2021ء تک انہوں نے 2800 سے زیادہ لاپتہ افراد کے مقدمات کی نشاندہی کی ہے، جن میں سے 1357 ابھی تک لاپتہ ہیں، ان میں سے ایک نوید ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ہیومن رائٹس واچ، دونوں ادارے جبری گمشدگیوں کی مذمت کر چکے ہیں اور پاکستانی حکام سے اس ظلم وجبر کی پالیسی کے خاتمے کا مطالبہ کر چکے ہیں۔

حکومت نوید بٹ کے پروڈکشن آرڈر کے احکامات کے مطابق انہیں رہا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ نوید بٹ کے خاندان والوں نے اس کیس کو اسلام آباد ہائی کورٹ میں بھی دائر کیا ہے جہاں فی الحال اس پر غور وخوض جاری ہے۔

اے پاکستان کے مسلمانو اور خصوصاً صحافی، وکلاء اور انسانی حقوق کے لئے سرگرم کارکنان!

نوید بٹ کی اہلیہ کا یہ کہنا ہے، "میرے شوہر کا جُرم صرف یہ ہے کہ انہوں نے حق کے لئے آواز بلند کی۔ اور اسی لئے میں اہلِ قوت اور پاکستان کے حکمرانوں سے یہ مطالبہ کرتی ہوں کہ انہیں فوری طور پر رہا کیا جائے۔ وہ پہلے ہی غیر قانونی حراست میں کئی سالوں پر محیط سزا کاٹ چکے ہیں۔ ہم انصاف کی تلاش میں کونا کونا چھان چکے ہیں، جس میں اسلام آباد ہائی کورٹ سے سپریم کورٹ آف پاکستان اور لاہور ہائی کورٹ شامل ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارا مقدمہ جبری گمشدگیوں کے کمیشن میں بھی سنا گیا لیکن عدالتوں کے بارہا احکامات جاری کرنے کے باوجود نوید بٹ کو کبھی بھی کسی عدالت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا"۔

نوید بٹ کی اہلیہ نے یہ بھی کہا، "میں پاکستان کی حکومت، فوج اور ریاستی ایجنسیوں سے اپنے شوہر کی رہائی کی اپیل کرتی ہوں کیونکہ انہیں صرف سچ بولنے کے جُرم کی کافی زیادہ سزا دی جاچکی ہے۔ان کے ساتھ ساتھ، میں اور میرے بچے بھی ان کی اس طویل گمشدگی کی سزا بُھگت چکے ہیں۔انہیں فی الفور رہا کیا جائے کیونکہ یہ انسانیت اور انصاف کے تمام تقاضوں کے خلاف ہے"۔

یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر اس فورم پر اس ظلم کے خلاف آواز بلند کریں، جو ہمیں میسر ہے اور نوید بٹ کی فوری رہائی کا مطالبہ کریں۔تو آئیں اور سب مسلمان مل کر، خاص طور پر وہ جو بااثر اور اہلِ قوت ہیں، نوید بٹ اور ان کے اہلِ خانہ پر ہونے والے اس ظلم وجبر کے خاتمہ کا تقاضا کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، **«مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ » "اگر کوئی شخص ایک مسلمان سے اس دنیا کی ایک تکلیف دور کرے گا، اللہ تعالیٰ اس سے روزِ قیامت کی ایک تکلیف دور کریں گے"۔(مسلم)**

فہرست

جمہوریت مسائل کی جڑ ہے

نوید بٹ، ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان

عموماً جمہوریت کو اس بنیاد پر معاشرے میں پھیلایا جاتا ہے کہ اس نظام میں عوام کی بھرپور نمائندگی ممکن ہوتی ہے، حکمرانوں کا محاسبہ ہوتا ہے، حکمرانوں کا انتخاب عوام کی پسند سے ہوتا ہے، قوانین عوام کی مرضی اور مفاد میں بنائے جاتے ہیں، اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے وغیرہ۔ لیکن جمہوریت پر عمیق (گہری) نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ تمام دعوے خام خیالی پر مبنی ہیں۔ یہ نظام کس طرح مذکورہ بالا تمام مسائل کو حل کرنے کی بجائے مسائل کو جنم دیتا ہے یا ان میں مزید اضافہ کرتا ہے، آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں:

جمہوریت کے ذریعے عوام کی حقیقی نمائندگی ممکن ہی نہیں:

جمہوریت میں قانون سازی کا اختیار چونکہ ایک مخصوص گروہ یعنی پارلیمنٹ کے پاس ہوتا ہے، چنانچہ اسمبلیوں میں خود پہنچنا یا اپنے لوگوں کو اسمبلیوں تک پہنچانا مفاد پرست لوگوں کی کوششوں کا محور بن جاتا ہے تا کہ وہ قانون سازی کے انتہائی طاقتور ہتھیار کو اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے استعمال کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ انتخابات میں کامیابی کے لیے طاقتور لابیوں اور استعماری قوتوں کے گماشتے، کروڑوں روپے کی "سرمایہ کاری" اور کارکنوں کی جانوں کا نذرانہ دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ جبکہ عوام کی نمائندگی اور ان کے مسائل حل کروانا ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ آج گاؤں میں بسنے والے، پاکستان کی کل آبادی کی غالب اکثریت ایک ایسے مخصوص طبقہ کو ووٹ ڈال کر اپنا "نمائندہ" چننے پر مجبور ہیں جو ان پر سب سے زیادہ ظلم ڈھا رہا ہے۔ فقط اس لیے کہ ان کے مقابلے میں ایک عام کسان نہ تو الیکشن لڑنے کے لئے سرمایہ رکھتا ہے اور نہ ہی وہ جاگیر دار کو ناراض کر کے اپنی جان و مال اور عزت لٹانے کا خطرہ مول لے سکتا ہے۔ نمائندگی کا یہ مسئلہ پاکستان کے جمہوری نظام کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ امریکہ میں بھی حکومت تک پہنچنے کے لیے سیاستدان کو سرمایہ دار ملٹی نیشنل کمپنیوں اور طاقتور لابیوں سے پیسہ، سیاسی مدد اور پشت پناہی درکار ہوتی

ہے، چنانچہ ہر امیدوار الیکشن سے قبل فنڈز اکھٹے کرنے کے لئے ان سرمایہ داروں اور لابیوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اقتدار تک پہنچنے کے بعد ان سیاستدانوں کا اولین مقصد عوام کی فلاح و بہبود کی بجائے انہی کمپنیوں اور طاقتور لابیوں کے مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔ عراق کی جنگ اس حقیقت کی واضح دلیل ہے جس میں امریکی حکومت نے عوام سے جھوٹ بول کر یہ جنگ لڑی اور اس جنگ کا فائدہ بش نواز امریکی کمپنیاں اٹھا رہی ہیں۔ چنانچہ دنیا کی ہر جمہوریت میں اسمبلی میں منتخب ہونے والے سیاستدان درحقیقت عوام کے نہیں طاقتور لابیوں اور سرمایہ دار کمپنیوں کے نمائندے ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس خلافت میں مجلسِ امت قانون ساز ادارہ نہیں ہوتی بلکہ مجلسِ امت میں آنے والے عوامی نمائندوں کی بنیادی ذمہ داری حکمران کا محاسبہ کرنا اور اسے حکمرانی سے متعلق امور میں مشورہ دینا ہے۔ نیز اسلام نے محاسبے کی ذمہ داری کو حکمرانی کے عہدے سے الگ کر دیا ہے۔ چنانچہ عوامی نمائندوں کی ذمہ داری حکمرانی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس ضمن میں انہیں کسی قسم کے ترقیاتی فنڈز جاری کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا مفاد پرست طبقے کے لیے اس ادارے کا ممبر بننے میں کوئی کشش نہیں ہوتی۔ یوں اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے ایسے لوگ سامنے آتے ہیں جن کا مطمع نظر عوام کی خدمت کرتے ہوئے اللہ کی خوشنودی ہوتا ہے اور جنہیں خود عوام الیکشن لڑواتے اور جتواتے ہیں۔ چنانچہ خلافت کا نظام ہی وہ واحد نظامِ حکومت ہے جس میں عوام کی حقیقی نمائندگی ممکن ہوتی ہے۔

جمہوریت میں حکمرانوں کا حقیقی محاسبہ نہیں ہو سکتا:

جمہوری نظام میں حکمران ٹولہ جب چاہتا ہے قوانین میں ترامیم کر کے اپنی ذات اور اپنی پالیسیوں کو عدالتی کاروائی سے بالاتر بنا سکتا ہے۔ پاکستانی آئین کا آرٹیکل 248 پہلے ہی جمہوریت کے عین مطابق صدر، گورنر، وزراء وغیرہ کو اپنی ذمہ داری کی انجام دہی کے سلسلے میں عدالت میں پیش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔ اسی طرح افغان جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے کر مسلمانوں کا قتل عام کرنے، پانچ سو سے زائد مسلمانوں کو گوانتاناموبے بھجوانے اور امریکہ کو اڈے فراہم کرنے جیسی باطل پالیسیوں کے خلاف بھی عوام عدالت کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جمہوری عمل کے عین مطابق پاکستان کی پارلیمنٹ نے سترھویں آئینی ترمیم کو دو تہائی اکثریت سے منظور کیا، جس کی رُو

سے مشرف کے پہلے تین سال کے تمام اقدامات کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ یہی صورتِ حال مغرب کے جمہوری نظاموں کی ہے۔

مزید برآں جمہوریت میں چونکہ قوانین کسی بھی وقت تبدیل کئے جا سکتے ہیں چنانچہ حکمران طبقہ عوامی خزانہ لوٹنے کے بعد جب چاہے قوانین میں ترامیم کر کے اپنے آپ کو قانونی تحفظ دے سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریت میں محاسبہ ایک مذاق بن جاتا ہے۔ سیاست دانوں کو خوش کرنے کے لئے اکتوبر 2007 میں جاری کردہ قومی مفاہمتی آرڈیننس (NRO) اس قبیح حقیقت کی زندہ مثال ہے۔ جس میں قتل کے مقدموں سے لے کر اربوں روپے کی لوٹ مار کو محاسبے کے عمل سے خارج کر دیا گیا۔

اسلام کے نظامِ خلافت میں کوئی بھی شخص قانون اور محاسبے سے بالاتر نہیں خواہ وہ حکمران ہوں یا عدلیہ۔ اسلام نے حکمرانوں کے محاسبے کو فرض قرار دیا ہے، چنانچہ نہ تو خلیفہ اور نہ ہی عوامی نمائندوں کی اکثریت اپنے آپ کو قانون سے بالاتر کرنے یا محاسبے سے بچانے کے لئے اس پر کسی بھی قانون کے ذریعے قدغن لگا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں خلافت میں حکمرانوں کا محاسبہ کرنے میں عوام "آزاد" نہیں کہ وہ جب چاہیں محاسبہ کریں اور جب حالات مشکل ہو جائیں تو وہ اس سے کنارہ کش ہو جائیں۔ بلکہ فرض ہونے کے ناطے عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر حالت میں اپنے حکمرانوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں، خواہ ایسا کرنا سہل (آسان) ہو یا دشوار۔

جمہوریت بلیک میلنگ پر مبنی اور غیر مستحکم نظامِ حکومت ہے:

جمہوری نظام میں عدم اعتماد کے ووٹ کے ذریعے حکومت کی تبدیلی کے خوف کی وجہ سے حکمران کی توجہ اراکینِ اسمبلی کی اکثریت کو خوش رکھنے پر مرکوز رہتی ہے۔ حکمران اپنی کرسی برقرار رکھنے کے لئے کبھی تو ترقیاتی بجٹ کے نام پر عوامی نمائندوں کو رشوت دیتا ہے اور کبھی انہیں وزیروں اور مشیروں کی فوج میں شامل کر کے نوازتا ہے۔ دوسری طرف اپوزیشن جماعتوں کی سیاست کا محور پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرتے ہوئے، عدم اعتماد کے ووٹ کے

ذریعے حکومت کو گرانا ہوتا ہے۔ یہ امر سیاسی اور حکومتی بحران کو جنم دیتا ہے، جس کے معیشت، خارجہ پالیسی اور داخلی امور پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں جمہوری نظام میں جب اسمبلی میں کسی پارٹی کو واضح اکثریت حاصل نہ ہو تو ایسی صورتِ حال میں حکومت سازی کے لیے پارلیمنٹ کی اکثریت سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ امر سیاسی جماعتوں کے درمیان سودے بازی کو جنم دیتا ہے، اور بننے والی کوئی بھی حکومت ہمیشہ عدم استحکام اور پے در پے سیاسی بحرانوں کا شکار رہتی ہے۔ اسی طرح لسانی بنیادوں یا علاقائی بنیاد پر قائم ہونے والی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اپنے چند اراکینِ پارلیمنٹ کے ذریعے پریشر گروپوں کی صورت اختیار کر کے حکومتوں کو بلیک میل کرتی ہیں۔ اور حکمران اپنی مخلوط حکومتیں بچانے کے لئے ان کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرتے ہیں اور یوں چھوٹی پارٹیاں جو انتہائی کم لوگوں کی نمائندگی کرتی ہیں، حکومتی پالیسیاں ڈکٹیٹ کراتی ہیں۔

جبکہ اسلام کے نظامِ حکومت میں ایک شخص خلیفہ بننے کے بعد کسی ایک جماعت کا نہیں بلکہ تمام امتِ مسلمہ کا خلیفہ ہوتا ہے اور اسے محض نمائندوں کی خواہش اور مرضی پر معزول نہیں کیا جا سکتا۔ خلیفہ کو صرف اس وقت ہی ہٹایا جا سکتا ہے جب وہ کفر قوانین نافذ کرے، یا اس میں خلیفہ کے عہدے پر برقرار رہنے کی شرائط مفقود ہو جائیں یا اسے ہٹانا ظلم کو دور کرنے کے لیے لازمی ہو جائے؛ لہٰذا عدم اعتماد کی تلوار نہ ہونے کی بدولت خلیفہ جاگیرداروں، وڈیروں اور صنعتکاروں کی من پسند پالیسیوں کو نافذ کرنے یا چھوٹی پارٹیوں کے مفادات کو پورا کرنے پر مجبور نہیں ہوتا، اور اس کی توجہ کا محور اسلام کا مکمل نفاذ ہوتا ہے۔ لہٰذا خلافت کا نظامِ حکومت ایک مستحکم نظام ہوتا ہے۔

جمہوری نظام صوبائی اور گروہی تعصب کو ہوا دیتا ہے:

جمہوریت میں حکمران کو اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لیے ایک مخصوص مدت کے بعد دوبارہ الیکشن لڑنا پڑتا ہے ۔ حکمران جانتا ہے کہ اسے دوبارہ حکومت میں آنے کے لیے اکثریتی علاقے یا گروہ کی حمایت حاصل کرنا لازمی ہے چنانچہ اکثریتی علاقے کے عوام کو خوش رکھنا اس کی مجبوری بن جاتا ہے خواہ اس کے لیے اسے اقلیتی علاقوں کے حقوق کو

غصب ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ یوں بڑے علاقوں کے شہری زیادہ اہم اور چھوٹے صوبوں کے رہائشی بے وقعت ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وزیرِ اعظم کسی چھوٹے صوبے کا ہی کیوں نہ ہو بڑے صوبے ہی اس کی توجہ کا مرکز بنے رہتے ہیں۔ بڑے صوبوں اور گروہوں کے حق میں امتیازی اقدامات علاقائی تعصب اور گروہی منافرت کو فروغ دیتے ہیں۔

چونکہ نظامِ خلافت میں خلیفہ کو ہر پانچ سال بعد الیکشن کے ذریعے عوامی توثیق کی ضرورت نہیں ہوتی اور خلیفہ جانتا ہے کہ اگر وہ اسلام کو مکمل طور پر نافذ کر رہا ہے اور تمام ذمہ داریوں کو ادا کر رہا ہے تو اس کی حکمرانی کو کوئی خطرہ نہیں، لہٰذا وہ اکثریتی علاقے سے کسی قسم کے غیر منصفانہ دباؤ کے بارے میں فکر مند نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے کسی علاقے کے لیے امتیازی اقدامات اٹھانا پڑتے ہیں۔ چنانچہ ریاستِ خلافت علاقائیت، لسانیت اور صوبائی تعصب سے محفوظ رہتی ہے۔

پاکستان کا فیڈرل جمہوری نظام بذاتِ خود صوبائی عصبیت کو فروغ دیتا ہے، کیونکہ فیڈریشن کا تصور ہی عدم وحدت پر مبنی ہے۔ فیڈرل سسٹم میں کسی بھی صوبے یا علاقے کا فیڈریشن میں شامل ہونے کا فیصلہ حکمرانی، اختیارات اور مراعات سے متعلق شرائط اور سمجھوتوں پر مبنی ہوتا ہے۔ صوبے کے لوگ اس صوبے سے حاصل ہونے والے وسائل کو امتِ مسلمہ کی ملکیت کی بجائے صوبے کی ذاتی ملکیت سمجھتے ہیں اور صوبائی مفادات کو امتِ مسلمہ کے اجتماعی مفادات پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات اور وسائل کی تقسیم کی تگ و دو جاری رہتی ہے۔

وفاقی طرزِ حکومت میں مختلف علاقوں کو خود مختاری حاصل ہوتی ہے لیکن وہ ایک عمومی مرکزی حکومت کے ذریعے باہم جڑے ہوتے ہیں۔ جبکہ خلافت وحدت کا نظام ہے جس میں شمال میں نوشہرہ کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو جنوب میں کراچی کی ہے۔ اور اگر اسلام آباد اسلامی ریاست کا مرکز ہو تو اس کا انتظام ویسے ہی ہو گا جیسے کہ میانوالی کا۔ تمام علاقوں کی مالیات اور ان کا بجٹ بھی ایک جیسا ہوتا ہے اور اموال کو لوگوں پر یکساں انداز سے خرچ کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک ولایہ (صوبہ) سے حاصل ہونے والی آمدن اس کی ضروریات سے دوگنی ہو تو اس پر خرچ کیا جانے والا فنڈ

اس کی ضروریات کے مطابق ہو گا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدن کے مطابق نہیں ہو گا۔ اور اگر ایک ولایہ کی آمدن اس کی ضروریات سے کم ہے تو مجموعی بجٹ میں سے اس ولایہ پر اس کی ضرورت کے مطابق خرچ کیا جائے گا، خواہ وہ ضرورت کے مطابق محصولات پیدا کرے یا وہ ایسا نہ کر سکے۔

جمہوریت میں عدل کی فراہمی اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ممکن نہیں:

چونکہ جمہوریت میں اکثریت ہی تمام فیصلے کرتی ہے اس لئے اکثریت کی بے جا اہمیت اور اقلیت کی بے وقعتی ایک لازمی امر ہے۔ اکثریت اقلیت کی خواہشات کی پرواہ کئے بغیر اپنی مرضی کی قانون سازی کرتی ہے۔ آج امریکہ میں اکثریت نے مسلمان اقلیت کے خلاف پیٹریاٹ ایکٹ (Patriot Act) کے نام پر ظالمانہ قوانین جاری کر دئے ہیں جس کے تحت کسی بھی شخص کے خلاف دہشت گردی کا الزام لگا کر اسے غیر معینہ مدت کے لئے جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ تمام جمہوری ممالک میں انصاف اور عدالت سے متعلق قوانین بھی اکثریت کی خوہشات کی بنا پر بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ گوانتاناموبے میں محبوس مسلمانوں کو بغیر مقدمہ چلائے سالہا سال قید رکھنا، "قومی سلامتی" کو جواز بنا کر ایک ملزم کو اُس کا جرم بتائے بغیر جیل بھیج دینا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق اپنا وکیل چننے تک کی اجازت نہ دینا امریکہ کے "مہذب معاشرے" میں عین انصاف ہے کیونکہ یہ سب جمہوری اصولوں کے تحت کیا گیا ہے۔ اسی طرح آج جمہوری یورپ کے اسکولوں میں حجاب پہننا جرم بن گیا ہے کیونکہ وہاں کے عوام کے اکثریتی نمائندے اسے برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

خلافت میں چونکہ قانون سازی کا اختیار انسان کے پاس نہیں لہٰذا انصاف اور عدل سے متعلق اسلام کا کوئی بھی قانون محض اکثریت کی خواہش کی بنیاد پر یا "نظریہ ضرورت" کے تحت تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اسلام نے کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنانے سے منع کیا ہے یا اسے حق فراہم کیا ہے کہ وہ اپنے خلاف الزامات کا عدالت میں اپنی مرضی کے وکیل کے ذریعے دفاع کر سکے تو خلیفہ یا مجلس اُمت سمیت کوئی بھی ادارہ اس سے یہ حق نہیں چھین سکتا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے قانون سازی کو انسان کی دسترس سے دور رکھ کر غیر مسلموں اور اقلیتوں کو امن و تحفظ فراہم کیا ہے۔

اور ماضی میں یہ خلافت ہی تھی جس کے سائے تلے یہودی اور نصرانی (عیسائی) عرب قبیلے نسل در نسل امن و سکون سے زندگی بسر کرتے رہے۔

کرپشن اور جمہوریت لازم وملزوم ہیں:

سیاسی کرپشن کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہر جمہوری معاشرے میں موجود ہے اور اکثر موضوع گفتگو رہتا ہے۔ لیکن اکثر اوقات لوگ اس کرپشن کو محض افراد کا مسئلہ سمجھ کر جمہوری نظام کو ان کرپٹ افراد سے پاک کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کرپشن جمہوری نظام کا جزو لاینفک ہے۔ کیونکہ جمہوریت کے بنیادی اصول ہی در حقیقت کرپشن کو جنم دیتے ہیں۔ چونکہ جمہوریت میں قانون سازی انسان کے پاس ہے لہٰذا ہر کرپٹ شخص جانتا ہے کہ وہ اس منصب پر فائز ہو کر ایسے قوانین بنا سکتا ہے جس سے اس کی کرپشن ماورائے قانون بن جائے۔ لہٰذا وہ کروڑوں روپے لگا کر عوامی نمائندہ بننے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں معاشرے کے کرپٹ ترین لوگ چھَن کر اسمبلی میں کھنچے چلے آتے ہیں اور عوام کے امور کی دیکھ بھال کی بجائے ان کرپٹ عناصر کے امور کی دیکھ بھال ہی اسمبلی کا اولین مقصد بن جاتا ہے۔ مزید برآں ممبران اسمبلی کو حاصل، عدم اعتماد کے ووٹ کا حق بھی سیاسی کرپشن کا موجب بنتا ہے اور حکمران ممبران کو خوش رکھنے کے لئے ترقیاتی بجٹ اور وزارتوں کی لوٹ سیل لگا دیتے ہیں۔ مشرف دور میں جاری کردہ قومی مفاہمتی آرڈیننس کے مطابق اب پارلیمنٹ کے اراکین کو کسی بھی جرم میں پولیس گرفتار نہیں کر سکتی جب تک ایک پارلیمانی کمیٹی اس کی اجازت نہ دے دے۔ ایسی صورت میں کرپٹ اور جرائم پیشہ لوگ اسمبلی کی طرف اس طرح دوڑیں گے جس طرح شہد کی طرف مکھیاں امڈ آتی ہیں۔

لیکن خلافت میں چونکہ مجلسِ اُمت ایک قانون ساز ادارہ نہیں اس لئے اس کی رکنیت حاصل کر کے ایک شخص اپنے سیاہ کو سفید نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح عوام کے نمائندے خلیفہ کو محض اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق معزول کرنے کے مجاز نہیں ہوتے۔ لہٰذا خلیفہ کو انہیں خوش رکھنے کے لئے کسی قسم کی سیاسی رشوت دینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ کرپٹ عناصر کو مجلسِ امت کے الیکشن لڑنے اور عوامی نمائندہ بننے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا اور انہیں

کروڑوں روپے لگا کے مجلسِ امت کی ممبری حاصل کرنا بے سود نظر آتا ہے۔یوں جمہوریت کے بر خلاف خلافت سیاسی کرپشن کو جنم دینے یا فروغ دینے کا باعث نہیں بنتی۔

جمہوری نظام استعمار کی مداخلت کو ممکن بناتا ہے:

پاکستان کے حکومتی نظام کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ یہ ایک استعماری نظام ہے جسے برطانیہ ہمارے درمیان چھوڑ گیا اور اس نظام کے ذریعے وہ پاکستان کے معاملات کو کنٹرول کرتا ہے۔جمہوریت اس استعمار کو اپنے مفادات کے حصول کے لیے چور دروازہ فراہم کرتی ہے۔چونکہ جمہوریت میں قانون سازی کا اختیار انسان کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا استعمار کے لیے جمہوری نظام کو استعمال کرنا ممکن ہوتا ہے۔آمرانہ نظام میں استعماری طاقتوں کو اپنی مرضی کے قوانین اور پالیسیاں بنانے کے لیے فردِ واحد کو خریدنا پڑتا ہے جبکہ جمہوریت میں انہیں ایک اکثریتی گروہ کو خریدنا ہوتا ہے ۔ استعماری طاقتیں اگر ایک آمر کو استعمال کر سکتی ہیں تو اس کے پاس اتنے وسائل بھی ہیں جس سے وہ ان چند سو اسمبلی ممبران کو اپنے لئے خرید سکیں جو الیکشن میں کروڑوں روپے کی سرمایہ کاری کر کے اربوں کمانے کے لیے اسمبلیوں کی سیٹیں حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ جمہوری اصولوں ہی کو استعمال کرتے ہوئے سترھویں ترمیم کو آئینی تحفظ دیا گیا، جس کے مطابق مشرف کے بنائے ہوئے تمام کفریہ قوانین "ملکی مفاد" میں جائز قرار پائے خواہ وہ جہاد کو دہشتگری قرار دینا ہو یا امریکہ کو پاکستان کی سرزمین پر اڈے قائم کرنے کی اجازت دینا ہو یا پھر دہشت گردی کے نام پر اسلام کے خلاف جنگ ہو۔

اسلام فردِ واحد کی ڈکٹیٹرشپ اور مخصوص گروہ کی ڈکٹیٹرشپ (یعنی جمہوریت) دونوں کو یکسر مسترد کرتا ہے ۔اسلامی ریاست میں کوئی بھی قانون شرعی دلیل کی بنیاد پر نافذ ہوتا ہے اور خلیفہ پر لازم ہے کہ وہ نافذ کیے جانے والے ہر قانون کی شرعی دلیل بیان کرے، یوں اقتدارِ اعلیٰ حقیقتاً اور عملاً شریعت کو حاصل ہوتا ہے اور استعمار کے لیے قانون سازی کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنا ممکن نہیں رہتا۔

مزید برآں اسلامی ریاست میں حکومتی عہدیداروں اور سیاست دانوں کو کافر ریاستوں سے غیر سرکاری تعلقات قائم کرنے مثلاًان کی محفلوں اور عشائیوں میں شرکت کرنے، غیر سرکاری دوروں کے دوران ان سے رابطے کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ پس استعماری طاقتوں کے لیے اسلامی ریاست کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور استعماری اثرورسوخ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

جمہوریت اور آمریت انسانی غلامی کی دو مختلف اشکال ہیں:

جمہوری فلسفے میں حاکمیتِ اعلیٰ انسان کے لیے ہے نہ کہ اللہ کے لیے، یعنی جمہوریت کی رُو سے عوام الناس ان قوانین کا فیصلہ خود کریں گے جن کے مطابق وہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ عملی طور پر یہ قوانین ایک مختصر منتخب قانون ساز اسمبلی بناتی ہے، جسے قوانین بنانے کے لیے وسیع اور مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ یہ چند لوگ عوام الناس کے لیے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا تعین کرتے ہیں اور کروڑوں لوگ اُن کے بنائے ہوئے قوانین پر چلنے کے پابند ہوتے ہیں۔ یوں جمہوریت دراصل انسان کو انسان کا غلام بناتی ہے۔ آمریت اور جمہوریت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ آمریت میں عوام ایک شخص کے غلام ہوتے ہیں جبکہ جمہوریت میں خواص کے ایک گروہ کے غلام ہوتے ہیں۔

خلافت کا نظام قانون سازی کا اختیار محض اللہ کے لئے خاص کر کے انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلاتا ہے۔ خلافت میں عوام کسی انسان کی پسند یا ناپسند کے تابع نہیں ہوتے بلکہ وہ خالق کے دیے ہوئے قوانین کی اتباع کر کے اس کی عملی عبودیت اور غلامی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی انسانیت کی معراج ہے۔

جمہوریت انسانی مسائل کا درست حل پیش کرنے سے قاصر ہے:

جمہوریت میں قانون سازی کا منبع انسانی عقل ہے۔ اور انسانی عقل محدود ہونے کی بنا پر اس سے عاجز ہے کہ انسان کے تمام تعلقات اور زندگی کے مسائل کے بارے میں صحیح حل پیش کر سکے۔ آج مغرب اسقاط حمل، کلوننگ، ترس کھا کر قتل کرنے (Mercy Killing) وغیرہ جیسے معاملات میں کسی بھی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچ سکا اور

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عقل اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ ان معاملات کی حقیقت اور معاشرے پر ان کے اثرات کا حقیقی اور حتمی ادراک کر سکے اور انہیں حتمی طور پر اچھا یا برا قرار دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے بیشمار مسائل میں آج بھی مغربی دنیا تقسیم ہے اور کسی بھی حتمی حل تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ مغرب نے انسان کی اس فطری کمزوری پر جمہوری فلسفے کے ذریعے پردہ ڈالنے کی کوشش کی کہ جو بھی اکثریتی رائے ہوگی اسے اپنا لیا جائے گا، اس بات سے قطع نظر کہ وہ رائے درست ہو یا باطل۔ یہی وجہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ آزادیوں کی بنیاد پر اپنے مسائل حل کرنے کی تگ ودو میں انسانیت کے شرف سے ہی گر گیا ہے۔ جہاں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے جرائم زدہ معاشرہ جنم دیا ہے۔ بن باپ کے بچے گینگز اور منشیات میں آسودگی (خوشی) تلاش کرتے ہیں۔ جہاں نفسیاتی اور ذہنی بیماریاں عام ہیں۔ مغربی معاشرے کے مذکورہ بالا تمام قبیح ثمرات اس امر کی دلیل ہیں کہ محدود انسانی عقل جب بھی معاشرے کے پیچیدہ مسائل کو محض اکثریت کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کرے گی تو انسانیت ظلم کا شکار رہے گی۔ الغرض اللہ کے قوانین سے بغاوت اور انسانی خواہشات کو محور بنانے والا یہ معاشرہ انسانیت کے لئے نشان عبرت بنا ہوا ہے۔ پاکستان کے حکمران اس ملک کو بھی اسی ڈگر پر چلانا چاہتے ہیں جہاں آج سرمایہ دارانہ نظام اپنی بدترین شکل میں نافذ ہے۔ عوام فاقوں کے بعد اجتماعی خودکشیوں پر اتر آئے ہیں، جہاں دن دھاڑے ڈاکے پڑ رہے ہیں اور انصاف کے لئے لوگوں کو دس دس سال عدالتوں کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔

اس کے برعکس خلافت میں قانون سازی کا منبع انسانی عقل نہیں بلکہ وحی الٰہی (قرآن وسنت) ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ ہی انسان اور اس پوری کائنات کا خالق ہے اس لئے یہ فقط اللہ ہی ہے جو انسانی تعلقات اور زندگی کے تمام مسائل کو کماحقہُ حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ خلافت ہی اللہ کے نازل کردہ احکامات کو پوری دنیا پر نافذ کرتے ہوئے محض مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ پوری انسانیت کو سرمایہ دارانہ نظام کے ظلم سے نجات دلائے گی۔

جمہوریت اسلام کے نفاذ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے:

آج اسلام کے نفاذ میں بڑی رکاوٹ جمہوریت ہے۔ پاکستان کے عوام کی غالب اکثریت اسلام کا نفاذ چاہتی ہے، لیکن چونکہ جمہوریت کے تحت کوئی قانون اس وقت تک پاس نہیں کیا جا سکتا جب تک اسمبلیوں میں بیٹھے "عوامی نمائندوں" کی 51 فیصد اکثریت اسے قبول نہ کر لے، خواہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرض ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا امت کی خواہشات کے باوجود آج اسلام حکومت کے ایوانوں سے باہر ہے کیونکہ اسمبلیوں میں پیسے اور اثر رسوخ کی بدولت آنے والے "نمائندوں" کی اکثریت ایسا نہیں چاہتی۔ نیز چونکہ یہ نمائندے ہی در حقیقت اقتدار اعلیٰ کے حامل ہیں اور انہیں خلافِ شریعت قانون بنانے کی صورت میں کسی قسم کی سزا نہیں دی جا سکتی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ کھلی جنگ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے جس کا مظاہرہ ہم حدود آرڈیننس کی تبدیلی کے دوران دیکھ چکے ہیں۔

نظامِ خلافت میں چونکہ اللہ کے دیے گئے قوانین ہی ریاستی قوانین ہوتے ہیں جنہیں نافذ نہ کرنے یا انہیں معطل کر دینے کا اختیار نہ تو خلیفہ کے پاس ہوتا ہے اور نہ ہی عوامی نمائندے اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ ڈال سکتے ہیں اسی لئے اسلام کا نفاذ یقینی ہوتا ہے۔ چونکہ خلافت میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ کی شریعت کو حاصل ہوتا ہے، خلیفہ کو نہیں؛ اس لئے اگر وہ اسلام کے کسی ایک بھی حکم کو معطل کر کے غیر اسلامی قانون نافذ کرنا چاہے تو ایسے میں نہ صرف اس کا محاسبہ کیا جائے گا بلکہ اِس کفر پر اصرار کرنے پر اُسے ہٹانا لازمی ہو جائے گا۔

اجتماعی ذہانت (Collective Wisdom) کئی معاملات میں درست نہیں ہوتی:

کچھ لوگ اس لئے بھی جمہوریت کو دیگر نظاموں سے بہتر نظام سمجھتے ہیں کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اس میں فیصلے فردِ واحد کی سوچ کی بجائے اجتماعی ذہانت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ نیز وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ معاشرے کی اجتماعی ذہانت (collective wisdom) ہمیشہ انفرادی سوچ اور ذہانت سے بہتر ہوتی ہے۔ اسی کلیے کی بنیاد پر وہ ہر حالت میں اکثریت کی پیروی کرنے کو بہتر اور اقرب الصواب سمجھتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ چند مخصوص معاملات میں اکثریت کا فیصلہ عام طور پر صحیح رائے کی طرف راہنمائی کرنے کی صلاحت رکھتا ہے۔ لیکن یہ سمجھ لینا کہ

اکثریت ہر معاملے میں درست حل پیش کر سکتی ہے ایک فاش غلطی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ کے وجود کے بارے میں فیصلہ ہر شخص نے انفرادی طور پر دلائل کو پرکھنے کے بعد از خود کرنا ہے۔ ایک شخص محض اس بنیاد پر ایک مذہب اختیار نہیں کر سکتا کہ دنیا کی غالب اکثریت اس مذہب کو درست سمجھتی ہے۔ اگر اکثریت کے ہمیشہ درست ہونے کے نظریے کو قبول کر لیا جائے تو پھر مسلمانوں کو لا محالہ اپنا درست دین چھوڑ کر غیر مسلم ہونا پڑے گا کیونکہ آج دنیا کی اکثریت مسلمان نہیں ہے۔ یہی معاملہ دیگر امور کا ہے مثلاً اگر آج عورتوں کی اکثریت حجاب لینے کی روادار نہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ باحجاب عورتیں بھی اس لئے بے پردہ ہو جائیں کیونکہ اجتماعی ذہانت اور سوچ collective (wisdom) کے اصول کے تحت یہ سوچ یقیناً درست ہو گی۔ اگر آج دنیا کی اکثریت سودی لین دین میں کسی قسم کا کوئی عار محسوس نہیں کرتی تو لہٰذا مسلمانوں کو بھی معاشی طور پر "کامیاب" ہونے کے لئے اس کفریہ نظریے اور سوچ کو اس لئے قبول کر لینا چاہئے کیونکہ پوری انسانیت کی اجتماعی سوچ (Collective Wisdom) اس کا تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ عقائد اور اس سے پھوٹنے والے نظاموں اور زندگی گزارنے سے متعلق مخصوص نقطۂ نظر کو محض اکثریت اور اقلیت کی بنیاد پر قبول یا مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ان تمام معاملات اور نظریات کو محض درست ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد پر قبول یا مسترد کیا جانا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان معاملات پر خلافت میں کسی بھی قسم کی رائے شماری یا بحث و تمحیص کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام معاملات کے بارے میں قرآن و سنت میں احکامات صادر فرما دیے ہیں۔ خلیفہ انہیں محض نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ جبکہ جمہوریت میں یہ تمام معاملات بھی اکثریت کی مہر تثبیت کے محتاج ہوتے ہیں اور اکثریت کی نظرِ عنایت کے بغیر ان شرعی احکامات کو کوئی طاقت ملکی قانون نہیں بنا سکتی۔

اسی طرح ایک اور قسم کے معاملات جن کا تعلق سائنس، ٹیکنالوجی اور تکنیکی معاملات سے ہے، ان میں بھی collective wisdom کے اصول کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اگر سائنسدانوں کی اکثریت کسی غلط سائنسی نظریے پر متفق ہو تو کیا ایک سائنس دان اپنے نئے نظریے کو محض اس لئے بالائے طاق رکھ دے کیونکہ اکثریت اس حقیقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں؟ یقیناً کوئی بھی ذی شعور اس اصول کو تسلیم نہیں کرے گا۔ آج پاکستان توانائی

کے بحران سے گزر رہا ہے۔ایسے میں اس بحران کے حل کے لئے شمسی توانائی استعمال کی جائے یا ڈیم بنائے جائیں، ایٹمی ری ایکٹر کے ذریعے بجلی پیدا کی جائے یا ہوا کی طاقت کو بروئے کار لایا جائے وغیرہ، یہ تمام امور فنی اور تکنیکی نوعیت کے ہیں۔لہٰذا سب جانتے ہیں کہ ان معاملات میں عوام الناس کی اکثریت یا ان کے "گریجویٹ" نمائندوں کی اکثریت صحیح فیصلے تک پہنچنے میں مددگار ثابت نہیں ہوسکتی۔البتہ ان فنی اور تکنیکی امور کے ماہرین ہی اس بارے میں درست ترین اور صائب رائے دے سکتے ہیں جو کہ بہر حال معاشرے کی اکثریت نہیں ہوتے۔ چنانچہ خلافت میں ان تمام معاملات پر مجلس امت میں موجود عوامی نمائندے اپنی رائے تو دے سکتے ہیں لیکن ان کی رائے پر عمل کرنا خلیفہ پر لازم نہیں ہوتا۔ ان معاملات میں خلیفہ تکنیکی امور کے ماہرین سے مشورہ کرنے کے بعد سب سے بہتر رائے کو اختیار کرتا ہے اور اسے نافذ کرتا ہے۔دوسری طرف جمہوریت میں ان معاملات میں بھی پارلیمنٹ کی اکثریت کو فیصلے کا حق ہے جس کی بنا پر کئی معاملات سیاسی دھینگا مشتی کا شکار ہو کر عوام الناس کی مفلوک الحالی اور ان کے مسائل کو حل کرنے کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بن جاتے ہیں۔

فہرست

وفاقی شرعی عدالت کا سود کی ممانعت کا فیصلہ: سرمایہ داریت کے بدنما روپ کے لئے محض سترپوشی

ڈاکٹر عبدالبصیر، پاکستان

28اپریل2022ء کو وفاقی شرعی عدالت (FSC) نے ایک بار پھر اعلان کیا کہ اسلام کے احکامات کے مطابق ربا(بینک کا سود) حرام ہے لہٰذا اسے پانچ سال کے عرصے کے اندر ملک سے ختم کیا جائے۔اس فیصلے سے دو واضح رُخ قائم ہوتے ہیں؛ایک تو اسلام پسند جو اس فیصلے پر مسرت کا اظہار کر رہے ہیں اور اسے ہمارے ملک کے اسلام کی جانب بڑھنے کے عملی اقدام کے طور پر دیکھتے ہیں،اور دوسرا آزاد خیال لبرل طبقہ جو اس پر تنقید کر رہا تھا کیونکہ وہ اس اقدام کو رجعت پسند اور ناقابلِ عمل سمجھتے ہیں،ان کے خیال میں یہ اقدام معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈال کر ملک کو مزید پیچھے دھکیل دے گا اور جو کچھ بھی معاشی کامیابیاں حاصل ہو چکی ہیں،ان سب کا خاتمہ کر دے گا۔سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کونسا فریق درست ہے؟

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے،آیئے وفاقی شرعی عدالت (FSC) کے ماضی،اس کا کردار اور سود کی ممانعت کے بارے میں دیئے گئے اس کے احکام کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

سود اور اس کے خاتمہ کی کوششیں

سب سے پہلی اور اہم ترین بات تو یہ ہے کہ عمومی فہم کے برعکس معیشت سے سود کے خاتمہ کا تقاضہ آئین کے آرٹیکل 38ایف کے تحت ایک عین آئینی تقاضہ ہے،جس میں واضح درج ہے،"ریاست جلد از جلد سود کا خاتمہ کرے گی"۔تاہم اس سمت میں پہلی بار عملی اقدام اس وقت اُٹھائے گئے جب 1980 میں ایک قانونی ریگولیٹری آرڈیننس (SRO) کے ذریعے وفاقی شرعی عدالت (FSC) کی تشکیل کی گئی۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کے

قیام کے ساتھ ہی اس کے پر کاٹ دیے گئے اور اسے آئین، مسلم پرسنل لاء یا کسی بھی عدالت یا ٹریبونل کے طریقہ کار سے متعلق کسی بھی قانونی معاملات میں مداخلت کرنے اور کوئی فیصلہ کرنے سے روک دیا گیا۔ مزید براں، ٹیکسوں اور جُرمانوں کی وصولی یا بینکنگ (سود/ رباء) یا انشورنس پریکٹس اور دیگر طریقہ کار سے متعلق کوئی بھی مالیاتی قانون پہلے دو سال کے لئے، پھر مزید تین سال اور آخر میں مجموعی طور پر دس سال کے عرصہ کے لئے وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے باہر رکھے گئے۔ اچھی طرح یہ جانتے ہوئے کہ اگر اس کو نہ روکا گیا تو اس کا فطری نتیجہ سود کے خاتمہ کی صورت میں کرنا پڑے گا جس سے معاشی نظام کو دھچکا لگے گا، لہٰذا ان جیسے مضحکہ خیز تاخیری حربوں کو آئینی ترمیم 203-بی کا حصہ بنادیا گیا۔ اس بات کا اس سے بہتر اور کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا کہ جب بھی انسان کو قانون بنانے کا حق دیا گیا تو اس نے ہمیشہ اپنے ذاتی مفادات کی حفاظت کو ترجیح دی، چاہے ان سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے واضح احکامات کی صریح خلاف ورزی ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔

بہر حال، جیسے ہی دس سالہ مہلت کا عرصہ ختم ہوا، تو وفاقی شرعی عدالت (FSC) نے اس معاملے کو پھر سے اُٹھایا اور 14 نومبر 1991 کو سود کے خاتمے کا اپنا فیصلہ سُنادیا۔ اس فیصلہ میں یہ اعلان کیا گیا کہ مختلف مالیاتی قوانین میں سود کی دفعات کا شامل ہونا، رباء کے زُمرے میں آتا ہے اور اس طرح یہ قانونی دفعات شریعت کے منافی ہیں۔ شرعی عدالت نے حکومت کو 30 جون 1992 تک کا وقت دیا کہ وہ حکومتی قوانین سے ایسی تمام شقوں کا خاتمہ کرے اور معیشت کو رباء سے پاک کرے۔ لیکن شرعی عدالت کے اس فیصلے کو سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ (SAB) میں چیلنج کر دیا گیا اور اسے 23 دسمبر 1999 تک روک دیا گیا اور پھر آخر کار سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ (SAB) نے حکومت کو 31 مارچ 2000 تک کی ایک اور مہلت دیتے ہوئے، وفاقی شرعی عدالت کے 1992 کے فیصلے کو برقرار رکھنے کا اعلان کیا۔

اسی دوران سپریم کورٹ کے شرعی اپیلٹ بینچ کے اس فیصلے پر نظر ثانی کے لئے یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ کی جانب سے اپیل دائر کر دی گئی جس پر 24 جون 2002 کو شریعت اپیلٹ بینچ نے اپنے گزشتہ فیصلے کو کالعدم قرار دیتے ہوئے اپنا فیصلہ سُنادیا اور اس میں وفاقی شرعی عدالت کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اس معاملے پر نئے سرے سے نظر ثانی کرے اور کچھ

نشاندہی کردہ مسائل کی روشنی میں اپنے فیصلہ کا ازسرنو تعین کرے۔اس کے بعد سے لے کر تقریباً2020 تک مختلف حکومتوں کی جانب سے اس کیس کو دانستہ التوا میں رکھا گیا،تاکہ یہ معاملہ صرف وفاقی شرعی عدالت میں 7 سوالات کی حد تک رہ جائے جس کا مقصد سود کے خاتمے کے لئے حکومت کی کارکردگی کا جائزہ لینا ہو۔

'ناقابل جواب'سوالات

ان سوالات کا تعلق اسلامی بینکنگ،اسلامی مالیاتی نظام اور ان نظاموں کے طریقہ کار کے فروغ سے متعلق اسلامی ممالک کی کارکردگی کے حوالے سے تھا۔اور پھر وہ تاریخی فیصلہ آگیا جس میں اعلان کیا گیا تھا کہ قرآن وسنت اور اسلام کے احکامات کی روشنی میں سود کی ہر طرح کی قسم اور شکل کی مکمل اور قطعی ممانعت ہے۔وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلہ کا اعلان کرنے کے بعد اس وقت کے وزیرِ خزانہ،مفتاح اسماعیل نے ایک ٹویٹ میں اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور "وفاقی شرعی عدالت سے اس فیصلہ پر عملدرآمد کرنے کے حوالے سے طریقہ کار،مراحل اور ٹائم فریم کی رہنمائی اور وضاحت چاہی"۔اور یہی سوال ہمیں اب اس بحث کے اہم ترین حصہ کی طرف لے کر آتا ہے۔کیا سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں صفر شرح سود کی پالیسی لاگو ہو سکتی ہے؟دوسرے معروف غیر اسلامی اقتصادی نظاموں کی طرح سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں بھی سرمایہ داروں کے لئے آمدنی کا ذریعہ ہونے کے علاوہ،سود کے دو مزید نمایاں اور اہم کردار ہیں۔اور سود کے یہ دونوں کردار وفاقی شرعی عدالت کی طرف سے اُٹھائے گئے تمام سوالات کی بنیاد بھی ہیں اور اسی لئے انہیں تفصیل سے سمجھنا ضروری ہے۔

- سب سے پہلے سود کی شرح،جسے پالیسی ریٹ بھی کہا جاتا ہے،کو پیسے کی دستیابی کو منظم کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے؛اور پالیسی ریٹ میں اضافہ کرنے سے زیادہ بچت ہوتی ہے کیونکہ پیسہ بینکوں میں جمع ہو جاتا ہے،اس طرح رقم کی دستیابی میں ایک حد مقرر ہوتی ہے اور نتیجتاً افراطِ زر میں متوقع کمی ہوتی ہے۔اس کے برعکس،کم شرح پر پالیسی ریٹ زیادہ اخراجات اور سرمایہ کاری کا باعث بنے گا اور بینکوں سے زیادہ قرض لینے سے پیسے کی زیادہ دستیابی پیدا ہو گی جس کے نتیجے میں 'کم اشیاء کے مقابلے میں پیسہ زیادہ دستیاب ہونے

کی صورتحال' پیدا ہوتی ہے، جسے افراطِ زر کہتے ہیں۔اس طرح کے اقتصادی عروج وزوال کے گردشی چکر پوری دنیا میں عام ہیں اور ریاست کے مرکزی یا سرکاری بینکوں کی یہ بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ پالیسی ریٹ کو مسلسل مناسب کرتے رہیں تاکہ پیسے کی دستیابی میں استحکام رہے۔ مغربی ممالک کی اقتصادیات میں، نئے پالیسی ریٹ کے اعلان کا ہی بڑی بے صبری سے انتظار کیا جاتا ہے اور کاروباری اداروں اور سٹاک مارکیٹ کی طرف سے پالیسی ریٹ میں گراوٹ کا خیر مقدم کا جاتا ہے جبکہ بینکوں اور دیگر قرض دینے والے اداروں کی جانب سے پالیسی ریٹ میں اضافہ کو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔

- سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں سود کا دوسرا کردار ہر قسم کی اقتصادی سرگرمی کیلئے سرمایہ فراہم کرنا ہے۔ لیکن تضاد تو یہ ہے کہ صفر شرح سود کا مطلب یہ ہوگا کہ کاروباری اداروں کے لئے تو وافر مقدار میں سستا پیسہ دستیاب ہوگا لیکن عملی طور پر اس کا اختتام معاشی سرگرمی میں زوال کی صورت میں نکلے گا کیونکہ قرض دہندگان کے لئے اپنا پیسہ مہیا کرنے میں کوئی مالی کشش نہیں ہوتی۔

وفاقی شرعی عدالت کی طرف سے اُٹھایا گیا ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ شرح سود جزوی طور پر افراطِ زر کو کم کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے جو کہ اس سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے لئے لازم وملزوم ہے۔ لہٰذا یہ بات تو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ آج اگر کوئی آپ کو 100 روپے قرض دے تو آنے والے چند سالوں میں اس رقم کی قدر اتنی نہ رہے گی کیونکہ اس رقم کی قوتِ خرید میں نمایاں کمی واقع ہو چکی ہو گی۔ بعض علماء اس افراطِ زر کی آڑ میں سود کا جواز پیش کرنے کی کوششیں بھی کر چکے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ کرنسی کی قدر میں اس حد تک بے رحمانہ کمی کا کوئی حل پیش کر سکتے جو کہ بنیادی طور پر بوقتِ ضرورت حکومتوں کی جانب سے بے تحاشا کرنسی نوٹوں کی چھپائی کی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کی جانب سے کیا گیا ایک اور سوال بڑے بڑے میگا پراجیکٹس کے مالی اخراجات سے متعلق تھا جس میں نجی سیکٹر کی معاونت کی ضرورت ہوتی ہے تاہم نجی سیکٹر عموماً ایسی سرمایہ کاری کے اخراجات کے لئے بینکوں سے قرض لیتے ہیں۔ اس طرح، چھوٹے کاروباری ادارے بھی ہیں جہاں نجی کاروباری کمپنیاں سرمایہ کاری کیلئے بینک سے

قرض لیتی ہیں اور اس طرح معیشت کے لئے دولت پیدا کی جاتی ہے۔اگر سود ختم کر دیا جائے تو میگا پراجیکٹس کیلئے سرمایہ کاری کہاں سے آئے گی؟

ان کے علاوہ، وفاقی شرعی عدالت کی جانب سے اُٹھایا گیا ایک اور موضوع بین الاقوامی معاہدات ہیں، خاص طور پر وہ جو کہ پہلے ہی طے شدہ معاملات کے مطابق طے ہو چکے ہیں۔اور آخر میں عالمی تجارت کو ایک ایسے مسئلے کی صورت میں لیا گیا ہے جسے حل کرنے کی ضرورت ہے۔اب اگر کوئی ذی شعور اس 1100 صفحات پر مشتمل تفصیلی فیصلہ اور اس میں ان موضوعات کے حوالے سے پیش کی گئی بحث کا مطالعہ کرے گا تو وہ جلد ہی یہ جان لے گا کہ حقیقت میں ان میں سے کسی بھی مسئلہ کو یقینی طور پر حل نہیں کیا گیا۔بہر حال یہ ہرگز کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے اندر رہتے ہوئے سود سے بچنے کی کوشش کرنا، کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس سے دریا پار کرنے کی توقع کرنے کے مترادف ہے۔یعنی اگر آپ بقاء چاہتے ہیں تو ان زنجیروں کو توڑ ڈالنے کی ضرورت ہے، بالکل اسی طرح جیسے اگر ہم واقعی سود سے پاک معیشت چاہتے ہیں تو موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کا اختتام کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلام کا معاشی نظام:

یہ سمجھنے سے پہلے کہ اسلام درج بالا مسائل کو کس طرح حل کرتا ہے، اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام ہمیں اپنی زندگیوں کے انفرادی اور اجتماعی معاملات کو منظم کرنے کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات اور نظام فراہم کرتا ہے۔صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حاکمیت پر مبنی نظامِ حکومت، عمومی سطح پر مرد و عورت کی علیحدگی پر مبنی سماجی و معاشرتی نظام، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حدود کے نفاذ پر مبنی سزاؤں کا نظام وغیرہ، محض چند مذکورہ مثالیں ہیں۔اسی طرح اسلام کا معاشی نظام ہر قسم کے لین دین اور معاشی معاملات کو منظم کرنے کے لئے ایک منفرد اور تفصیلی نظام ہے۔اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ چند ہاتھوں میں دولت کا ارتکاز رہنے سے اجتناب کیا جائے۔صفر شرح سود فقط ایک اَمر ہے۔ بدقسمتی سے برطانوی استعمار کے ہاتھوں خلافت کے انہدام اور اس کے نتیجے میں علماء اور عام عوام کے فہم میں پیدا ہونے والی کمزوریوں نے امت میں اسلام کے تصورات سے لاعلمی کو جنم دیا ہے۔تاہم یہ کج روی کسی طور بھی مغربی حل کو

قبول کرنے اور اسلام کے حل کو چھوڑ دینے کا جواز نہیں ہو سکتی۔ ان سرمایہ دارانہ پالیسیوں کے نتائج امیر و غریب طبقہ کی انتہائی تقسیم کی شکل میں نہ صرف مسلمان ممالک میں بلکہ ان مغربی ممالک میں زیادہ نظر آتے ہیں جو اس سرمایہ دارانہ نظام کے نام نہاد چیمپئن ہیں۔ اسلامی معاشی نظام کی بات کی جائے تو اس کا ایک بنیادی نکتہ یہ ہے کہ کرنسی سونے اور چاندی سے منسلک ہوتی ہے جو کہ اس کے برعکس ہے جیسا آج کی دنیا میں رائج کاغذی (Fiat) کرنسی کے ساتھ ہے یعنی اس کی بنیاد کسی سے بھی منسلک نہیں اور اسی لئے بے تحاشا مقدار میں چھاپی جاسکتی ہے جو کہ بے پناہ افراطِ زر کا باعث بنتا ہے، جس کا مشاہدہ حالیہ برسوں میں پاکستان نے بھی کیا ہے۔ اگرچہ اشیاء کی خرید و فروخت یا خدمات کے عوض کاغذی (Fiat) کرنسی کا استعمال مسلمانوں کے لئے ممنوع نہیں ہے مگر ایک اسلامی ریاست صرف وہی کرنسی جاری کر سکتی ہے جس کی بنیاد سونے اور چاندی پر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا نصاب، خون بہا (دِیت) کی رقم، چور پر حد مقرر کرنے کے لئے چوری کی گئی رقم کی کم ترین مقدار اور اسی طرح کے دیگر معاملات وغیرہ، ان سب کو سونے اور چاندی کی کوئی خاص مقدار/وزن سے منسلک کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے نَص کے طور پر شرعی احکام کو سونے اور چاندی سے منسلک کیا ہے جبکہ یہ احکام کرنسی کے حوالے سے ہیں، تو یہی دلیل ہے کہ کرنسی صرف سونے اور چاندی کی بنیاد پر ہی ہو سکتی ہے۔ مزید یہ کہ شریعت میں کرنسیوں کے تبادلے کے احکامات، جو کہ خالصتاً مالیاتی لین دین میں شمار ہوتے ہیں، خصوصی طور پر صرف سونے اور چاندی کے حساب سے ہی دیے گئے ہیں جو کہ کرنسی کو سونے اور چاندی سے متصل ہونے کی دلیل کو مزید تقویت دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، **«وَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْتُمْ» "اور سونے کو چاندی کے بدلے اور چاندی کو سونے کے بدلے، جیسے چاہو بیچو"** (بخاری میں ابو بکرۃ سے روایت کیا گیا اور اسی طرح کی حدیث مسلم میں عبادہ بن صامت سے مروی کی گئی ہے)۔

درج بالا حدیث رقم کے طور پر سونے اور چاندی کی تخصیص کرتی ہے اور مالیاتی لین دین کی بنیاد طے کرنے کے لئے صرف سونے اور چاندی کو معیار قرار دیتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں 100 سال کا عرصہ گزارنے کے بعد، اگرچہ سونے اور چاندی کا یہ معیار اب انتہائی عجیب لگ سکتا ہے، لیکن حقیقت میں دنیا بھر میں کچھ عرصہ پہلے تک یہی معیار

رائج تھا۔انسانی تاریخ کے زیادہ تر عرصہ میں مختلف کرنسیاں ہمیشہ، یا تو براہِ راست یا پھر ڈالر کے ذریعے، سونے کے ساتھ منسلک رہیں ہیں، اور ایسا 1971 تک جاری رہا جب امریکی صدر نکسن نے اچانک اور یک طرفہ طور پر بریٹن وُڈ معاہدے کا خاتمہ کر دیا تھا۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ سونے اور چاندی کو کرنسی کا معیار کے طور پر ختم کرنے کا فائدہ کُلی طور پر امریکی حکومت ہی کو تھا کیونکہ اس وقت تک تمام دوسرے ممالک پہلے ہی سونے کے معیار سے اپنا رُخ بدل چکے تھے اور زیادہ تر نے تو اپنی کرنسیاں امریکی ڈالر سے جوڑ لی تھیں۔ دو دھاتی بنیاد پر جاری کرنسی افراطِ زر سے تقریباً محفوظ ہوتی ہے کیونکہ یہ مرکزی بینکوں اور حکومتوں کی منشاء اور ساز باز سے آزاد ہوتی ہے اور اسی لئے یہ آج کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ حل کر سکتی ہے جس کا سامنا دنیا کی بڑی معیشتیں کر رہی ہیں۔ اسلامی معاشی نظام کا ایک اور منفرد پہلو یہ ہے کہ نجی سیکٹر کی بجائے ریاست ہی میگا پراجیکٹس پر عمل درآمد کروانے اور ان کی تکمیل کی پابند ہوتی ہے اور اس طرح وہ بینکوں کی طرف سے مالی اعانت کی محتاج نہیں ہوتی۔ اسلام میں کچھ خاص وسائل کو نجی تحویل میں دیے جانے کی سختی سے ممانعت ہے، خاص طور پر توانائی کے وسائل۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

« الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ فِي الْكَلَإِ وَالْمَاءِ وَالنَّارِ »

"تمام مسلمان تین اشیاء میں شراکت دار ہیں: سبزہ زار، پانی اور آگ (توانائی)" (سنن ابی داؤد-3477، میں ابو خداش سے روایت کیا گیا)

اسی طرح اسلام میں، کچھ اہم انفراسٹرکچر اور حساس نوعیت کی ضروریات وغیرہ کی نجکاری کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ اس طرح ریاست کو محصولات کی مد میں معاشی خود مختاری حاصل رہتی ہے اور عوام الناس کو بھاری ٹیکسوں سے نجات ملتی ہے جو کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ایک عام سی بات ہے۔ جہاں تک کسی اور کی مالی معاونت کے محتاج چھوٹے کاروباروں کا تعلق ہے، تو سُود کی بنیاد پر سرمایہ داروں کے سرمایہ کاری کرنے کی بجائے اسلام اس مسئلہ کو شراکت داری کے ذریعے حل کرتا ہے۔ اور جہاں تک ان بین الاقوامی معاہدات کا تعلق ہے جو پہلے ہی طے کیے جا چکے ہوئے ہیں جیسا کہ آئی ایم ایف اور سی پیک وغیرہ کے معاملات، تو وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ میں ایک حدیث

کا ذکر ہے جو نامکمل ہے، اس حدیث میں وہ حصہ حذف ہے جس میں معاہدات کی پابندی کے استثناء کو واضح بیان کیا گیا ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، **«المسلمون عند شروطهم إلا شرطًا حَرَّمَ حلالًا أو شرطًا أَحَلَّ حرامًا » "مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام قرار دے یا ایسی شرط جو حرام کو حلال قرار دیتی ہو"**۔(ترمذی 1352، ابنِ ماجہ 2353)

پس اوپر بیان کئے گئے دلائل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کی رباء کا خاتمہ کرنے کی کاوشیں ہر لحاظ سے ناکافی ہیں۔ یہ کوششیں پہلے سے کشمکش میں مبتلا سرمایہ دارانہ معاشی نظام کو زندگی کا ایک اور موقع دینے کے سوا کچھ نہیں، جسے مسلمانوں نے پہلے ہی ظالمانہ اور استحصالی قرار دے کر بڑے پیمانے پر مسترد کر دیا ہے۔ اگر وفاقی شرعی عدالت اور حکومت، واقعی اپنے اس دعوے اور اس کے نتائج کے حوالے سے سنجیدہ ہیں تو اوپر بیان کیا گیا مباحثہ ان کے لئے اس تبدیلی کا آغاز کرنے کیلئے ایک نمونہ ہو سکتا ہے۔ تاہم، اس امر کو اُجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ ایک اسلامی معاشی نظام کو بھی اسلامی ریاست سے جُدا حالت میں قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ معاشی نظام اسلام کے مجموعی نظام کا ایک حصہ ہے جو کہ اسلام کی قانونی، عدالتی، تعلیمی اور سیاسی پالیسیوں کے ساتھ ساتھ سماجی اور اخلاقی اقدار کے ساتھ منتھی ہوتا ہے۔ جب تک کہ اسلام کے تمام دوسرے نظام موجود نہ ہوں گے، خالی خولی معاشی نظام کے ثمرات بھی مکمل طور پر نہ مل پائیں گے۔ مزید یہ کہ اگر پاکستان حقیقی طور پر ایک اسلامی ریاست ہوتا تو یہ تمام طرزِ عمل یکسر مختلف ہوتا، یعنی وہ لوگ جو سود کی حمایت میں ہیں ان پر یہ ذمہ داری ہوتی کہ وہ دلیل لے کر آئیں کہ آیا قرآن وسنت کی روشنی میں سود کی کسی قسم کی کوئی گنجائش بھی موجود ہے۔ مذکورہ بالا بحث انتہائی شدت اور سنجیدگی سے ان سوالات کو جنم دیتی ہے، "ان تاخیری اور نیم دِلی کی کاوشوں سے آخر ہم کیا حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ بھی عارضی طور پر؟ کیا یہ کوشش سرمایہ داریت کے بد نُما رُوپ کو سَتر پوشی فراہم کرتے ہوئے مسلمانوں کی اسلامی طرزِ زندگی کے احیاء کی طرف لوٹنے کی بڑھتی ہوئی طلب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ہے؟

فہرست

نئی سیاست

عمران یوسفزئی، پاکستان

پاکستان کی موجودہ سیاست power politics کی سیاست ہے۔اوراس کا تماشااس وقت پوری قوم دیکھ رہی ہے۔اوراس کی بساط جس جانب بھی پلٹے،اس میں پاکستان کے عوام ہی قربانی کا بکرا بنیں گے۔ان مافیاؤں کی لڑائی میں رگڑی گھاس ہی جائے گی۔دونوں بھیڑیوں کے درمیان جنگ اس بات پر ہے کہ بکرا کس کے دسترخوان پر سجے گا۔کون آئی ایف ایم کو عوام کی کھال ادھیڑ کردے گا،اور کون ہے جو امریکی بدمعاش کے لوکل بھتہ خور کا کردار ادا کرے گا۔پاکستان کی جمہوری سیاست یہی سیاست ہے،اور وقت آگیا ہے کہ اس سیاست کا خاتمہ کیا جائےاوراس کی جگہ اسلام کی بنیادپر نئی سیاست قائم کی جائے۔

موجودہ سیاست ساری Power politics ہے۔کیونکہ جو حکومت حاصل کرتا ہے،اسے یہ حق ہوتا ہے کہ وہ طاقتور عہدوں پر appointment کر سکے،تاکہ طاقت کو مکمل کنڑول کیا جا سکے۔وزیر اعظم،وزراء اعلیٰ، گورنرز،وزراء،صوبائی وزارتیں،قائمہ کمیٹیوں کی چیئرمینی (خواہ وہ پبلک اکاؤنٹس کمیٹی ہو،کشمیر،خارجہ،داخلہ یا کوئی اور،اور جو وزارت کے برابر مراعات کی حامل ہیں،آئی جیز،سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججز،چیف سیکریٹری،نیب سربراہ،الیکشن کمیشن سربراہ اور ممبر،چانسلرز،پمرا اور دیگر ریگولیٹری باڈیز کے چیئرمین، GBاور کشمیر کی حکومتیں، سینیٹ پر کنڑول۔پس ہر وقت یہ جنگ جاری رہتی ہے۔ اوراس طاقت کی جنگ نے ملک کو عدم استحکام،انتشار اور مسلسل بے چینی کا شکار کیا ہوا ہے۔جس کے باعث حکمران کی توجہ صرف طاقت کے ارتکاز اوراسے مضبوط کرنے پر لگی رہتی ہے۔اسلام میں خلیفہ امت کی بیعت سے منتخب ہونے کے بعد،شرع کے زیر سایہ ہر معاملے کا ذمہ دار ہے۔پس وہاں کوئی power struggle نہیں۔ایک شخص اختیارات کنڑول کرتا ہے۔وہ مضبوط فیصلہ سازی کا مالک ہے۔

اور وہی ہر چیز کا جواب دہ بھی ہے۔ وہی ہر چیز کا ذمہ دار بھی۔اس کے پاس طاقت بھی ہے اور گردن بھی اسی کی پکڑی جائے گی۔ یہ ہے اسلام کی نئی سیاست۔

موجودہ سیاست میں منتخب نمائندہ ہونے کا مطلب ہے۔ علاقے کے فنڈز، پروٹوکول، ائیر ٹکٹ، بلیو پاسپورٹ، پٹرول، ایم این اے اور ایم پی ایز ہاسٹل میں رہائش، فری میڈیکل، نوکریاں بانٹنے کی جگہیں، سفارش کرنے کی اہلیت، سینیٹر منتخب کرنے کی رشوت، عدم اعتماد کے وقت قیمت کی وصولی، علاقے میں ٹور، تھانے کچہری میں اثر ورسوخ، بڑا حجرہ، And the marriage of convenience is;

اگر فوجی ڈکٹیٹر شپ ہو تو آپ جو پالیسیاں اور امریکی غلامی کرنی ہے کرو، ہمیں بس علاقے کے اندر یہ چیزیں دیتے رہو، ہم ہر بِل پر پڑھے بغیر دستخط کرتے رہیں گے خواہ وہ 17 ویں ترمیم ہو، یا ایپکس کمیٹی کے حکم پر 21 ویں ترمیم یا نیشنل ایکشن پلان، اور اگر جمہوریت ہو تو فیصلے کچن کیبنٹ خود ہی اسٹیبلشمنٹ اور امریکہ سے مل کر کریں، جس دن بِل پاس کرنا ہو، ہمیں بتادیں خواہ وہ FATF کے بِل ہوں، یا۔۔۔۔۔ ہماری پالیسی میکنگ، قانون سازی، یا لوکل اور انٹر نیشنل اسٹیبلشمنٹ سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ پارٹی کی کچن کیبنٹ کا فیصلہ ہے۔ ہمارا حصہ ہمیں ملنا چاہیئے، اور لانگ ٹرم کی assurance بھی۔

اسلام میں مجلس امہ کے پاس کوئی قانون سازی کی طاقت نہیں۔ نہ ہی کوئی سینیٹ موجود ہے، کہ اس کے الیکشن میں پیسہ وصول ہو۔ نہ ہی علاقے کے فنڈز، نہ ہی تنخواہیں، نہ ہی فری پٹرول، ائیر ٹکٹ، نہ نوکریاں بانٹنے کی طاقت۔ مجلسِ اُمہ کا عہدہ کوئی لاٹری کا ٹکٹ نہیں۔ یہ ذمہ داری ہے۔ یہاں وہی آئے گا جس کو امت کے امور کا احساس ہے۔ یہ نسل در نسل دولت وطاقت جمع کرنے کی جگہ نہیں۔ یہ ہے وہ سیاست جس کی آج امت کو ضرورت ہے۔

موجودہ سیاست ایلیٹ کیپچر (Elite Capture) کی سیاست ہے، جس میں قوانین، بل، پالیسیاں ایک مخصوص مراعات یافتہ طبقے کیلئے بنتی ہیں۔ وہ جو ایمنسٹی سکیموں کو ظلم کی انتہاء قرار دیتے تھے، انھوں نے خود، دو دو ایمنسٹی سکیمیں دیں۔ اپنے لئے این ار اوز، اور پلی بار گیننیں، کبھی سٹاک مارکیٹ بروکرز کیلئے پیکج، کبھی کنسٹرکشن کیلئے

پیکج، کبھی ایکسپورٹرز کیلئے سبسڈیاں، کبھی پاور سیکٹر کو نوازنا، کبھی کار انڈسٹری تو کبھی میڈیا کیلئے، اپنے لئے ہاؤسنگ سکیمیں، زرعی رقبے، تنخواہوں میں اضافے اور عوام پر ٹیکسوں کے انبار، اور یہ سب مہنگائی ٹیکس کے علاوہ ہے جو ان کی جمع پونجی کو 40 فیصد سے زیادہ ہڑپ کر کے کم کر رہا ہے۔ بینکنگ سیکٹرز کو سُودی مدوں میں 5000 ارب کی ادائیگیاں کبھی لیٹ نہیں ہوتی۔ کبھی آئی ایم ایف نے اس پر اعتراض کیا ہے؟ اعتراض ہوتا ہے تو غریبوں کیلئے سبسڈی پر۔۔۔ کٹتا ہے تو سالانہ ترقیاتی پروگرام۔ اور اس ایک فیصد ریاست کی لمبی تفصیل ہے۔ یہ ہے موجودہ سیاست۔

اس پر مستزاد۔۔۔ موجودہ جمہوری سیاست میں طاقتوروں نے اپنے لئے الگ مخصوص احتساب کے طریقے وضع کئے ہوئے ہیں

خلافت میں قاضی مظالم کی عدالت میں ججوں، جرنیلوں، انتظامی افسروں، عامل (میئر)، والی (گورنر)، خلیفہ اور اس کے معاونین سب کا احتساب ہوتا ہے۔ اور کسی محکمے یا ڈیپارٹمنٹ کو اجازت نہیں کہ وہ اپنا احتساب خود کریں جیسے کہ آج جمہوریت میں فوج اور عدلیہ نے اپنے لئے الگ مخصوص طریقہ کار وضع کئے ہوئے ہیں۔ یا سیاستدانوں نے اپنے لئے ایمنسٹیاں، این آر اوز اور پلی بارگین کے طریقے وضع کئے ہوئے ہیں۔

اسلام میں ان سب کے احتساب کیلئے سپیشل کورٹ موجود ہے، قاضی مظالم کی عدالت۔ اس میں سب executive، judiciary، Rulers جواب دہ ہوتے ہیں، حتّٰی کہ ایک عام شہری کی شکایت پر بھی۔ اور ان سب پر وہی ایک ہی شرعی قوانین لاگو ہوتے ہیں جو کسی بھی دیگر شہری پر لاگو ہوتے ہیں۔ یہ ہے اسلام کی سیاست۔ اس عدالت میں علیؓ بھی پیش ہونگے اور عمرؓ بھی۔

موجودہ سیاست، سیاست نہیں اکھاڑا ہے۔ یہ سیاست نہیں بلکہ مافیاؤں کی جنگ اور صلح اور آپسی بٹوارے کا نام ہے۔ اس میں عوام کہیں بھی نہیں۔

یہ آئین ختم ہو چکا ہے۔ کون اسے مانتا ہے۔۔فوج؟ بندوق کی نال پر۔۔۔عدلیہ؟۔۔۔وکیل؟ ۔۔۔میڈیا۔۔۔تاجر۔۔۔پراپرٹی ڈیلر۔۔۔۔سٹاک بروکر۔۔۔ ایکسپورٹر۔۔۔ بلوچ۔۔۔قبائل۔۔۔ اب تو جن URBAN سینٹر میں تھوڑا بہت چلتا تھا، وہاں بھی یہ ختم ہو چکا ہے۔

اس سیاست کو دفن کرنے کا وقت آ چکا ہے۔ یہ اس نئی سیاست کے آغاز کا وقت ہے جو اسلام کی سیاست ہے، جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا، جب آپؐ نے فرمایا:

«كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ»

"بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کیا کرتے تھے، جب بھی کسی نبی کا انتقال ہوتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آ جاتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں، تاہم میرے بعد خلفاء ہونگے، اور وہ کثرت سے ہونگے "۔(متفق علیہ)

یہ سیاست طاقت، پیسے، مراعات، پوزیشن، اور دھونس کی سیاست نہیں بلکہ یہ سیاست اسلام کے ذریعے امت کے امور کی دیکھ بھال کی سیاست ہے۔ کیونکہ انبیاء یہی کیا کرتے تھے۔ یہ وہ سیاست ہے جو کہ عظیم عبادت ہے، یہ انبیائی کام ہے۔ یہ ذمہ داری، creativity اور اسلامی اصولوں پر چلنے کی سیاست ہے۔ یہ وہ سیاست ہے جو خلفاء راشدینؓ اور ان کے بعد کے خلفاء نے کی۔

پس ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے پہلے خطبے میں فرماتے ہیں کہ "اے لوگو! "تم میں سے کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے، جب تک میں اس کا حق نہ دلا دوں اور تمھارا قوی آدمی میرے نزدیک کمزور ہے، جب تک اس کے ذمہ جو حق ہے وہ اس سے نہ لے لوں۔۔۔۔ اگر میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو اور اگر میں نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں"۔

یہی وہ ذمہ داری کا احساس تھا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کا لشکر سُپر پاور روم پر حملہ کرنے ضرور جائے گا۔ حالانکہ اسلامی ریاست کی اکثریت بغاوتوں سے گھِری ہوئی تھی۔ اور آخر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہہ دیا کہ "اگر جنگل کے کتے اور بھیڑیے مجھے اٹھا کر لے جائیں تو بھی میں وہ کام کرنے سے نہیں رکوں گا جسے نبی معظم ﷺ نے کرنے کا حکم دیا تھا۔"

یہ تھی اسلام کی سیاست۔۔۔ مجھے بتائیں۔

- کشمیر کیلئے ان سیاستدانوں نے کیا پلان بنایا، مودی کی جیت کی دعائیں، کرتارپور راہدری، اور اس کے ساتھ بیک ڈور تعلقات، لائن آف کنڑول پر سیز فائرڈیلیں!

- مسجدِ اقصیٰ مسلم افواج اور پاکستان کو پکارتی ہے۔۔۔ تو ان سیاستدانوں کا جواب کیا ہے، اسرائیل سے خفیہ پینگیں، خفیہ وفد اور 80 فیصد فلسطین سے زائد فلسطین کو فروخت کرنے کو دوریاستی حل کہہ کر پکارنا۔

- تیل و گیس کی قیمتیں عوام کی کمر توڑ رہی ہیں تو ان سیاستدانوں کے پاس کیا پلان ہے سوائے یہ کہنے کے کہ جی! یہ تو بین الاقوامی قیمتیں ہیں، ہم کیا کریں۔ آئی ایم ایف کی ڈیمانڈ ہے، ہم کیا کریں، یہ کڑوی گولی ہے، اسے نگلنا مجبوری ہے۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

- انہوں نے انڈسٹریالئزیشن کیلئے کیا پلان کیا۔ انھوں نے خود کفالت کیلئے کیا پلان بنایا۔

- ان کے پاس فوڈ سیکیوریٹی کیلئے کیا پلان ہے، آج ایک زرعی ملک میں لوگ آٹے کی قطاروں میں مر رہے ہیں۔

- یہ صرف آئی ایم ایف کے منصوبے نافذ کرنے والے ہیں۔

- 2010 میں سیلاب آیا۔۔اس کے بعد سیلاب کیلئے کیا منصوبہ بندی ہوئی۔ پچھلے سال دوبارہ سیلاب آیا اور ایک تہائی پاکستان ڈوب گیا۔ کہاں ہے عوام کے امور کی دیکھ بھال۔

اسلام کی سیاست ہی ہے جس میں

- خلفاء نے نبی کریم ﷺ کی ایک بشارت کی خاطر قسطنطنیہ پر 22 دفعہ حملہ کیا۔ 23 ویں حملے میں اسے حاصل کیا۔ یہ سیاستدان تو اپنے دو حصے سرنڈر کر کے آ گئے ہیں۔

- جب مدینہ میں قحط آیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے مصر سے ایمر جنسی غلہ منگوایا۔۔۔وہ اتنے مضطرب اور بے چین رہے کہ کہا جاتا ہے کہ صحابہؓ دعا کرتے کہ اللہ اس قحط کو اٹھا لے ورنہ عمرؓ پریشانی اور غم میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ خلیفہ نے 6 مہینے میں red sea تک 70 میل کی نہر کھدوائی اور مدینہ کی بندرگاہ پر غلے کے جہاز لنگر انداز ہوئے اور قحط ختم ہو گیا۔ یہ تھی امت کے امور کی دیکھ بھال۔

لیکن ان حکمرانوں نے زلزلوں، سیلابوں اور مہنگائی میں کیا کیا؟ اگلے الیکشن کیلئے ڈرامے بازی؟

- یہ اسلامی سیاست اور امت کی ذمہ داری کا احساس ہی تھا کہ خلفاء کو توہینِ رسالت روکنے کیلئے کبھی عوامی مظاہروں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، لیکن یہ لوگ ان عوام پر گولیاں چلاتے ہیں جو محض فرانس کے سفیر کو نکالنے کی بات کریں۔ ان کے پاس پھپھوندی زدہ مذمتوں کے سِوا کچھ بھی نہیں ہے۔

یہ تو ہو گئی اس cancerous سیاست کی اور اسلام کی سیاست کا فرق۔ اور آج ہمیں اسلام کی سیاست چاہیے۔ لیکن یہ اسلام کی سیاست اس موجودہ قومی جمہوری ریاست میں نہیں ہوتی۔ ہمیں اس کیلئے ایک نئی ریاست کی ضرورت ہے۔

- موجودہ جمہوری ریاست میں قانون سازی پارلیمنٹ کے پاس ہے، parliament is sovereign، The power to legitimize، the power to make something legal and illegal. پس 5 ہزار ارب روپے بینکوں کو سود میں دینا ہو، ایمنسٹیاں ہو، عوام پر regressive ٹیکس لگانا ہو، این آر اوز ہو، FATF کے مطالبات پر قانون سازی ہو، War of terror کو condone کرنا ہو، major infrastructure industry and power sector کو پرائیویٹائز کرنا ہو، پرائی جنگیں لڑنا ہو۔۔۔ مطلب ITS ALL ELITE CAPTURE۔

- لیکن خلافت میں مجلس امہ کوئی قانون سازی نہیں کرتی۔ They simply don't have the power to legislate. ان الحکم الا اللہ۔ پس اسلام elite capture کا راستہ ہی بند کر دیتا ہے۔ کوئی خلیفہ ایسا کوئی قانون لا ہی نہیں سکتا جس کیلئے پورا اجتہاد اور دلائل قرآن و سنت سے موجود نہ ہو۔ خلیفہ ہر executive order اسلام سے justify کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

- یہ ہے وہ نئی ریاست۔۔۔ صرف خلافت۔۔ جس کی امت کو ضرورت ہے۔

- موجودہ جمہوری ریاست trichotomy of power پر قائم ہے تاکہ اختیارات کو بیلنس کر سکے۔۔۔ لیکن اس کا نتیجہ عدلیہ، پارلیمنٹ اور فوج کے درمیان رسہ کشی کی شکل میں 70 سال سے ہمارے سامنے ہے۔ اور یہاں ہر وزیر اعظم، آرمی چیف اور چیف جسٹس کے پاس لمبی لمبی کہانیاں ہیں کہ کس طرح باقی دو نے اس کے خلاف کیسے سازشیں کر کے اُسے کام نہیں کرنے دیا۔ اور آخر میں نقصان عوام کا ہوا۔ کیونکہ یہ سب تو مراعات سمیٹ کے چلے گئے، اور تاحیات سمیٹتے رہیں گے۔

- ریاستِ خلافت، امت کے منتخب خلیفہ سے عبارت ہے۔ عدلیہ ہو یا انتظامیہ، امیر الجہاد ہو یا پولیس، گورنرز ہو یا میئر، سیکریٹریز ہوں یا وزراء، سب کے پاس delegated پاور ہے، اسلئے اختیارات کی تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن خلافت autocratic نہیں ہوتی، کیونکہ خلیفہ کی اطاعت شریعت کی پابندی کے ساتھ مشروط ہے۔

پاکستان کے عوام اس طاقت اور اختیارات کی لڑائی سے تنگ آچکے ہیں۔اس طاقت کے توازن کی لڑائی نے عملاً فیصلہ سازی کو بُری طرح مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔اس سسٹمیٹک مسئلے کا حل صرف اور صرف نئی ریاست ہے، جو کہ صرف خلافت ہے۔

- موجودہ ریپبلک، موجودہ ریاست۔۔۔پانچ سال کیلئے حکمران چننے کی بات کرتی ہے، عملاً ایک حاکم کو اوسطاً دو سے تین سال ملتے ہیں۔اس میں آخری سال الیکشن کا سال اور پہلا سال ہنی مون اور نظام سمجھنے کا سال ہوتا ہے، کیونکہ باہر آکر وہ کہتے ہیں کہ مجھے تو پہلے سال سمجھ ہی نہیں آئی۔جب ایک حکمران کو ہر دو سے تین سال بعد منتخب ہونے کی فکر ہو گی تو وہ لانگ ٹرم انڈسٹریلائزیشن کرے گا، فوڈ سیکیوریٹی کا پلان بنائے گا، critical infrastructure بنائے گا، ہسپتالوں اور سکولوں کا پورا نظام revamp کرے گا، کشمیر کی آزادی کا پلان کرے گا، یا وہ دائیں بائیں کنکریٹ ڈال کر اور میٹرو بنا کر، لوگوں کو دکھا کر اگلا الیکشن جیتے گا؟اس پانچ سالہ نظام نے پالیسیوں کا تسلسل برباد کر کے رکھ دیا ہے، پورے سیاسی نظام کو عدم استحکام کا شکار کر دیا ہے۔لانگ ٹرم گروتھ کا گلہ گھونٹ دیا ہے۔

- اسلام میں اسلام کے نفاذ کی شرط پر تاحیات حکمران ہوتا ہے۔اسے عدم اعتماد سے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔اسے ڈرامے اور تماشے لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔اس کی legitimacy اسلام کے نفاذ پر قائم ہے۔پس خلیفہ اور خلافت ہی وہ ریاست ہے جو لانگ ٹرم پالیسیوں کے ساتھ، اور مکمل طاقت کے ساتھ 5-10 سالوں میں ریاست کی شکل بدل کر رکھ دے گا۔یہ خلیفہ ہو گا جو اگلے الیکشن کیلئے نہیں، بلکہ اللہ کے سامنے جواب دہی اور امت کے ساتھ اخلاص میں خلافت کو موجودہ دور کی جدید ترین عالمی طاقت میں بدلے گا۔یہ خلافت ہو گی جو اپنے انجن بنائے گی، ہیوی مشینری، AI، کوانٹم فزکس، 2,3 اور 5 نینو میٹر کی chips، پروسیسرز، اسٹیلتھ، avionics، نیوکلیئر، web 3.0، کُروز، GPS، metallurgy، الغرض ہر جدید ٹیکنالوجی میں دنیا کو compete کرے گی۔

یہ ہے وہ نئی ریاست جس کی ہم سب کو ضرورت ہے۔

- موجودہ ریاست وفاقی نظام کو اپناتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے ایک ریاست تین حکومتیں۔ وفاقی، صوبائی اور شہری۔ صوبائی الگ حکومتوں کا مطلب ہے یہ ایک سرزمین نہیں، بلکہ الگ اکائیوں کی اپنی حکومتیں، اپنے قوانین، اپنے ٹیکس، نصاب، ڈیوٹیاں، پولیس اور اپنے وسائل ہیں۔ پس KPK کی گیس پنجاب کی نہیں، پنجاب کی گندم بلوچیوں کی نہیں، اور ریکوڈک کے وسائل پر سندھیوں کا حق نہیں اور تھر کا ذخائر KPK کے نہیں۔ بھائی یہ ملک ہے کہ خالہ جی کا گھر! ایک ریاست تین حکومتوں کا مطلب ہے کہ کسی معاملے کا کوئی بھی حتمی ذمہ دار نہیں، جس میں کوئی مہنگائی کا ذمہ دار نہیں، کیونکہ اگر مانیٹری پالیسی وفاق کے پاس ہے، تو سوشل سکیورٹی صوبوں کے پاس، اور پرائس کمیٹیاں شہری حکومت کے نیچے۔ سیلاب کو ڈیل کرنے کی ذمہ داری کس کی ہے، معلوم نہیں۔ یہاں تو کراچی کے کچرے کو نہ اٹھانے کے اصل ذمہ دار کا کسی کو علم نہیں ہو سکا۔ یہ ہے موجودہ ریاست۔

- ریاست خلافت میں تمام ریاست ایک خطہ ہوتی ہے۔ سب کا ایک حاکم ہے اور ہر جگہ پر خلیفہ اپنا نمائندہ گورنر بنا کر بھیجتا ہے، جس کو عوامی شکایات پر ہٹانا لازم ہوتا ہے۔ تمام ریاست کے ہر مسئلے کی ذمہ داری ایک خلیفہ پر عائد ہوتی ہے۔ There is no confusion in the matter of responsibility and accountability. اگر فرات کے کنارے بکری کا بچہ بھی پھسل کر زخمی ہو گا تو ذمہ دار شہری حکومت، ہائی وے اتھارٹی، محکمہ live stock یا والی نہیں بلکہ خلیفہ ہی ہو گا۔ That is the clarity. کیونکہ خلافت میں ہر کوئی delegated authority استعمال کر رہا ہے۔ اور responsibility and authority تو delegate ہوتی ہے، لیکن accountability نہیں۔ this is the new state.

-

- اور اس سب پر مستزاد، موجودہ جمہوری ریاست neo colonial آرڈر کی پیداوار ہے۔ جس کے تحت ایک امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے 60 ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا۔ کہاں ڈیڑھ کروڑ کلومیٹر کی خلافت عثمانیہ، اور کہاں اس کے درجنوں ٹکڑے۔ اب کسی کے پاس تیل کا سمندر ہے تو زراعت نہیں، کسی کا پاس زراعت ہے تو تیل نہیں، کسی

کے پاس انڈسٹریل بیس ہے تو معدنیات نہیں، کسی کا پاس نیوکلیئر قوت ہے لیکن انڈسٹریل بیس نہیں۔ کچھ LNG سے مالامال ہیں، تو ان کے پاس human resource نہیں، کسی کے پاس سمندری ساحل نہیں تو کسی کے پاس فرٹائل لینڈ نہیں۔ ان میں سے اکثر خود سے sustainable نہیں۔ اور نتیجتاً استعمار ان کے معاملات کنٹرول کرتا ہے۔ This whole nation state concept ایک مغربی Phenomenon ہے، جو Westphalian سے اُبھرا اور Christian ورلڈ کی پیداوار ہے۔ اس نے جہاد کا خاتمہ کر دیا ہے، ہمیں کمزور اور دشمن کیلئے ترنوالہ بنا دیا ہے اور امریکی آرڈر کا غلام بنا دیا ہے۔

- اسلام کی رُو سے " إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الآخَرَ مِنْهُمَا "۔ we don't have the concept of OIC، ہمارے پاس کوئی اسلامی بھائی چارے کے نام پر ملکوں کی تقسیم کا جواز نہیں۔ ہمارے پاس تو کنفیڈریشن کا کانسیپٹ (Concept) ہی نہیں تو قومی ریاستوں کا جواز کیسے بن گیا۔

- یہ ہے وہ نئی ریاست جو امت کو دوبارہ عروج کی جانب لے کر جائے گی۔

- It is the time to resurrect our Khilafah state. The one mighty super state.

- وہ ریاستِ خلافت، جو مشرق میں انڈونیشیا، ملائشیا، بنگلہ دیش اور مغرب میں افغانستان، وسط ایشیا، گلف اور افریقہ تک ممالک کو یکجا کرے گی۔ اور دنیا کے قلب، یوریشیا پر **لاالہ الا اللہ** کا جھنڈا لہرائے گی۔ اور مسلم حکمرانوں کی مدد سے خطے میں موجود امریکہ کو اس region سے نکال باہر کرے گی۔ پیٹرو ڈالر کا خاتمہ کرے گی اور ایک بار پھر اسلام کے غلبے کا دوبارہ آغاز کرے گی۔ اور صلیبیوں کے چار سو سالہ منصوبے کو ان پر پلٹ دے گی۔

- یہ ہے وہ نئی سیاست، وہ نئی ریاست، صرف خلافت جو ہمیں موجودہ ذلت اور غلامی سے باہر نکالے گی۔

- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«الْإِسْلَامَ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى»**

- **Islam is superior, and its supremacy can not be surpassed**

- و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

فہرست

نئی ریاست

انجینئر شہزاد شیخ، پاکستان

﴿وَلَا تَهِنُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾

"اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ تم ہی غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو،"(آل عمران،3:139)

۔اس بات سے تو اب ہر ایک شخص متفق ہے کہ موجودہ سیاست، موجودہ نظام، موجودہ ریاست مکمل طور پر ناکام ہو چکے ہیں۔

۔ہم مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت، اس بات پر بھی متفق ہے کہ نئی سیاست، نئی ریاست، صرف خلافت کا قیام ہی امت کو موجودہ تباہ کن صورتحال سے نکالنے کا واحد رستہ ہے۔

۔لیکن جب اس ہدف کے حصول کی بات ہوتی ہے تو مسلمان مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔

۔اور جب پوچھا جاتا ہے کہ کیوں ممکن نہیں؟

۔تو جواب آتا ہے: اپنے حالات دیکھے ہیں؟ معیشت تباہ حال ہے، ہر چیز تو ہم باہر سے منگواتے ہیں، ایٹمی قوت ہونے کے باوجود آئی ایم ایف، ایف اے ٹی ایف، کی شرائط ماننے پر مجبور ہیں، نصف سے زیادہ آبادی خطِ غربت سے نیچے رہ رہی ہے، لوگ آپس میں متفق نہیں ہیں، رنگ، نسل، زبان کی بنیاد پر بٹے ہوئے ہیں، اس ملک میں رہنا کون چاہتا ہے جو اسے ٹھیک کرنے کا سوچے، تعلیم، ٹیکنالوجی میں مغربی اقوام تو دور کی بات ہم اپنے دشمن بھارت سے بھی بہت پیچھے ہیں۔

لیکن میں یہاں انگریزی کا ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں:

There is an opportunity in every crisis and the deeper the crisis, the better the opportunity can be.

"ہر بحران میں ایک موقع ہوتا ہے اور بحران جتنا زیادہ سنگین ہوتا ہے، تو اتنا ہی بہتر موقع مل سکتا ہے"۔

۔یہ بات کیوں کہی جاتی ہے؟

۔اس لیے کہ جب حالات انتہائی خراب ہوتے ہیں، تب ہی لوگ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ تو ہمیں بھی موجودہ صورتحال سے دلبرداشتہ ہو کر ہاتھ پیر چھوڑ نہیں دینے چاہئیں۔ بلکہ یہ سوچنا ہے کہ موجودہ صورتحال سے کیسے نکلا جاسکتا ہے؟

۔الحمدللہ، ہم اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جس کی ایک طویل اور شاندار تاریخ ہے۔ ہماری تاریخ ہمیں یہ یاد دلاتی ہے کہ جب بھی مسلمان شدید مشکلات یا بحرانوں کا شکار ہوئے، تو انہوں نے ہار نہیں مانی

۔اور اپنے عقیدے، اسلام کی طاقت کو استعمال کرتے ہوئے بحرانوں اور مشکلات کا خاتمہ کیا،

۔یاد کریں وہ وقت جب سن 5 ہجری میں پورا جزیرۃ العرب قریش کی قیادت میں مدینہ پر چڑھ دوڑا تھا، اور صورتحال اس قدر خوفناک تھی کہ اس کا تذکرہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن میں ان الفاظ میں فرمایا، ﴿**إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ ٱلْأَبْصَٰرُ وَبَلَغَتِ ٱلْقُلُوبُ ٱلْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِٱللَّهِ ٱلظُّنُونَا۠**﴾ "**جب کافر تم پر آئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے**"۔(الاحزاب، 33:10)

۔لیکن اس قدر بدترین صورتحال کے باوجود مسلمانوں نے میدان نہیں چھوڑا بلکہ تدبیر کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کی

۔اور پھر مسلمانوں نے اللہ کی مدد سے کفار کو ایسی بدترین شکست دی کہ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے،اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے،اور وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے، بلکہ اب ہمارا لشکر ان کی طرف جائے گا"

اور پھر صرف 3 سال کے اندر اندر مسلمانوں نے مکہ اور اس سے اگلے 2 سال میں پورا جزیرۃ العرب فتح کر لیا۔

اور اس اگلے 50 سال میں شام، شمالی افریقہ، ایران، وسطی ایشیا، اسپین تک مسلمانوں کی سلطنت پھیل گئی۔

۔1099 عیسوی میں صلیبیوں نے فلسطین، بیت المقدس، یعنی ہمارے قبلہ اول مسجد اقصیٰ پر قبضہ کر لیا

۔اور یہ دور مسلمانوں کی تاریخ کے بدترین ادوار میں سے ایک ہے جب مسلمانوں کے علاقوں پر یورپ سے آئے ہوئے صلیبی قابض ہوتے جا رہے تھے،

۔کیونکہ خلافت کمزور اور مسلمان تقسیم ہو گئے تھے۔

۔لیکن 1187 عیسوی میں ٹھیک 88 سال بعد مسلمانوں نے بیت المقدس صلیبیوں کو قبضے سے چھڑا لیا، اور اس خطے سے صلیبیوں کو مار مار کر نکال دیا۔

۔اور سب سے بدترین دور مسلمانوں پر اس وقت آیا تھا جب منگولوں نے 13 ویں صدی عیسوی میں مسلم دنیا پر حملہ کیا، وسطی ایشیا سے شام تک منگول مسلم علاقوں پر قابض ہو گئے، بغداد میں خلیفہ کو قتل کر دیا، لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر دیا، مسلمانوں کے ہزار سال کے علم پر مبنی لاکھوں کتابوں کو جلا کر انہیں علمی طور پر دیوالیہ کر دیا۔۔۔

۔منگولوں کا ایسا خوف طاری ہو گیا کہ جیسے ہی ان کی آمد کا اطلاع ملتی شہر کے شہر خالی کر دیے جاتے

اور اپنی جانیں بچانے کے لیے ہجرت کر جاتے، یہاں تک کہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ منگول اللہ کا عذاب ہیں

۔لیکن ایسی خوفناک صورتحال میں بھی مسلمانوں نے ہار نہیں مانی اور 1260 عیسوی کو رمضان کے مہینے میں عین جالوت کے مقام پر منگولوں کو ایسی عبرتناک شکست دی کہ جس کے بعد ان کے بڑھتے قدم رک گئے۔

۔اور پھر کچھ ہی عرصے بعد مسلمانوں نے منگولوں سے اپنے علاقے اپنے حاصل کر لیے بلکہ منگول بڑی تعداد میں مسلمان ہونے لگے اور مسلمانوں نے اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ بحال کر لی

۔مسلمان یہ سب کچھ کرنے میں کیسے کامیاب رہے تھے؟

اس لیے کہ مسلمانوں نے حالات سے گھبرا کر ہاتھ پیر نہیں چھوڑ دیے تھے اور مایوسی کو خود پر طاری نہیں کر لیا تھا، انہوں نے ہمیشہ صرف اپنے عقیدے پر بھروسہ کیا، اور صرف اسی عقیدے سے طاقت حاصل کی، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کیا: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ **"اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ، تم ہی غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو،"**(آل عمران، 3:139)

۔ماضی کی ان مثالوں کو سامنے رکھیں تو ہماری آج کی صورتحال اتنی بھی خراب نہیں جتنی خراب بیان کی جاتی ہے۔

۔ہماری آج دو بنیادی خامیاں ہیں جنہیں اگر ہم حل کر لیں تو ہمیں موجودہ صورتحال سے نکلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

1۔کفریہ سیکولر سرمایہ دارانہ جمہوری نظام

2۔ مسلم علاقوں کا نیشن اسٹیٹ کے تصور کے تحت ایسے چھوٹے بڑے علاقوں میں تقسیم ہونا کہ ان میں سے ایک بھی ملک ایسا نہیں جو مکمل طور پر self sustainable ہو یعنی خوراک، سیکیورٹی، توانائی، ٹیکنالوجی میں خود کفیل ہو اور کسی کا محتاج نہ ہو۔

۔اگر ہمیں ایسی قیادت میسر آجائے جو کفریہ سیکولر سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ کر پاکستان میں خلافت کے قیام کا اعلان کرے اور پاکستان، افغانستان، وسطی ایشیا کے مسلم علاقوں ایک ریاست تلے یکجا کردے، تو ہماری قسمت یقینی طور پر پلٹ جائے گی۔

۔پاکستان، خوراک اور سیکیورٹی یعنی فوجی قوت کے لحاظ سے تو خود کفیل ہے لیکن توانائی کے حوالے سے سخت محتاجی کا شکار ہے۔

۔اسی طرح افغانستان معدنیات سے مالا مال ہے لیکن غذائی اجناس اور سیکیورٹی کے حوالے سے خود انحصار نہیں ہے۔

۔وسطی ایشیا توانائی کے وسائل سے مالا مال ہے، لیکن سیکیورٹی کے حوالے سے محتاج ہے۔

۔صرف ان تین علاقوں کو اگر خلافت کی صورت میں یکجا کر دیا جائے تو ایک طاقتور ریاست وجود میں آجاتی ہے جو اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے دوسروں کی محتاج نہیں ہو گی۔

۔مشرق و مغرب کی تجارت اس ریاست کے سمندر یعنی بحیرہ عرب، سے گزرے بغیر ممکن نہیں ہو گی،

۔بین الاقوامی انٹرنیٹ کیبلز یہیں سے گزرتی ہیں یعنی بین الاقوامی مواصلاتی نظام ہماری سیکیورٹی کے بغیر چل نہیں سکے گا۔

۔اوراگراس ریاست میں کویت، قطر، متحدہ عرب امارات، عمان، یمن، حجاز، ترکیااور مصر کو شامل کر لیا جائے تو یہ دنیا کی طاقتور ترین ریاست بن جائے گی۔

۔آج پاکستان کے مسلمانوں کو اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو جس بد ترین صورتحال کا سامنا ہے، اس کی بنیادی وجہ ہی یہی ہے کہ کوئی بھی مسلم ملک اپنے وجود کو برقرار کے لیے صرف خود پر انحصار نہیں کر سکتا بلکہ اسے لازمی طور پر دوسروں کی مدد درکار ہوتی ہے۔

۔قطر جس نے عالمی فٹبال میلہ سجانے کے لیے 10 سال میں 200 ارب ڈالر سے زائد خرچ کر دیے لیکن اس میلے کی سکیورٹی کے لیے پاکستان سے مدد مانگی۔

۔پاکستان جس کے پاس دنیا کے چھٹی بڑی فوج ہے اور ایٹمی اسلحے سے مسلح بھی ہے لیکن شدید مالی اور توانائی کے وسائل کی قلت کا شکار رہتا ہے۔ اور اس حوالے سے متحدہ عرب امارات، قطر اور عرب ممالک سے مدد مانگتا رہتا ہے۔ یہی حال ترکیا اور مصر جیسے بڑے مسلم ممالک کا بھی ہے۔ تو اگر مسلم دنیا خلافت کے سائے تلے یکجا ہو جائے تو اسے اپنی بقا کے لیے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ اس کی فوج دنیا کے سب سے بڑی فوج ہو گی۔ اس کے توانائی کے وسائل دنیا کے سب بڑے وسائل ہوں گے۔ اس کے پاس دنیا کی اہم ترین گزرگاہیں، جیسا کہ، نہر سوئز، سٹریٹ آف ہرموز، بحیرۂ عرب وغیرہ، ہوں گی جن سے گزرے بغیر مشرق و مغرب کی تجارت ممکن نہیں ہو سکتی۔

۔آج پاکستان کے مسلمانوں، اور دنیا کے مسلمانوں کے لیے خلافت کا قیام اپنی بقا کے لیے ہی لازمی نہیں ہے بلکہ اس کا قیام اسلامی شریعت کی رو سے فرض بھی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿ **فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ** ﴾ **"پس ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے، اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں"** (المائدہ، 5:48)

۔یہ آیت ایک اسلامی ریاست ،یعنی خلافت کے قیام کی فرضیت کا حکم دیتی ہے کیونکہ خلافت وہ نظام حکمرانی ہے جس میں حکمران نہ تو بادشاہ ہوتا ہے کہ اس کی خواہش و مرضی قانون ہو، اور نہ ہی خلافت میں حکمران لوگوں کی مرضی کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند ہوتا ہے جیسا کہ جمہوریت میں ہوتا ہے۔

خلافت ایک منفرد نظام حکمرانی ہے جس میں لوگ اپنا حکمران یعنی خلیفہ تو خود چنتے ہیں لیکن وہ حکمران یعنی خلیفہ، صرف اور صرف اللہ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

لٰہذا یہ آیت واضح طور پر خلافت کی فرضیت کی دلیل ہے۔

خلافت کی فرضیت رسول اللہ ﷺ کے اقوال سے بھی ثابت ہے۔

مسلم نے اعرج سے اور انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، **((إِنَّمَا الإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ))** **"خلیفہ ڈھال ہے جس کے پیچھے رہ کر لڑا جاتا ہے،اور اسی کے ذریعے تحفظ حاصل ہوتا ہے"۔**

مسلم کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، **((وَمَن مَاتَ وَلَيسَ فِي عُنُقِه بَيعَة مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً))** **"اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت (کا طوق) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"(مسلم)**

مسلم ہی کی ایک اور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، **كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ وَأَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ** **"بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا' جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: آپ ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے**

فرمایا: "تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو اور انہیں ان کا حق ادا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا 'جو اُس نے انہیں دی"۔ (مسلم)

اور احمد کی ایک طویل حدیث کا آخری حصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، **((ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ نُبُوَّةٍ))** "پھر نبوت کے نقشِ قدم پر یہ خلافت قائم ہو گی۔" (مسند احمد)

اور صحابہ کرامؓ نے خلافت کی فرضیت کو اتنا اہم ترین کام سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ان کی تدفین میں تین دن کی تاخیر کی گئی جب تک کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مسلمانوں کا خلیفہ نہیں چُن لیا گیا۔ اور صحابہؓ نے ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کو خلیفہ بنایا جو اس مسئلے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے۔ اور پھر صحابہؓ کے بعد آنے والے ہر دور میں مسلمانوں نے کسی نہ کسی کو ضرور خلیفہ بنایا اور یہ سلسلہ 1924 تک چلتا رہا جب ایک غدار، مصطفیٰ کمال نے عثمانی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ تو آج ہم ایک ایسے مقام پر کھڑے ہیں کہ اگر ہم نے قومی ریاستوں، جمہوریت، سرمایہ داریت کو مکمل طور پر مسترد کرتے ہوئے نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے قیام کی فرضیت کو پورا نہیں کیا تو ہماری تباہی کا سلسلہ کسی صورت نہ رک سکے گا۔ اور یہ کام صرف اس یقین کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور جب مسلمان اللہ کے حکم کو پورا کرتے ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد بھی شامل ہو جاتی ہے، اور یہ وہ مدد ہے جس کے بعد اگر ساری دنیا بھی اللہ کے حکم کے قیام کو روکنے کی کوشش کرے تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، **﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾** **"اور اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں"** (آل عمران، 3:160)۔

اور یہ اللہ کا مسلمانوں سے وعدہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو دوبارہ حکومت اور طاقت عطا فرمائیں گے، **﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾** **"اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی**

ان سے پہلوں کو دی تھی اور ضرور ان کے لیے ان کے قدم جما دے گا، اور ان کا وہ دین جو ان کے لیے پسند فرمایا ہے، اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا"(النور، 24:55) ، اور یہ سب کچھ کرنا اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں لیکن شرط وہی ہے کہ ﴿ **وَلَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ﴾ **"اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ تم ہی غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو،"**(آل عمران، 3:139)

فہرست

ایمان کی تکمیل

ہم یہ کئی بار سُن چکے ہیں کہ ایمان تو دِل میں ہوتا ہے یا یہ کہ ہم کون ہوتے ہیں کسی پر کوئی فیصلہ دینے والے ؟

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« أَنْ رجلاً قال : "واللهِ لا يَغْفِرُ اللهُ لِفُلانٍ وانَّ اللهَ تَعالَى قَالَ : مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأَلَّى عَلَيَّ أَنْ لا أَغْفِرَ لِفُلان،فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ، وأَحْبَطْتُ عَمَلَكَ " »

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے کہا کہ اللہ کی قسم! اللہ فلاں شخص کو معاف نہیں کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا: یہ کون ہے جو مجھے پابند کرتا ہے کہ میں فلاں شخص کو معاف نہیں کرونگا۔ میں نے اس شخص کو معاف کردیا اور تمہارے اعمال برباد کردیئے"۔

اسی طرح کی ایک اور حدیث جو ابوداؤد سے روایت ہے، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس شخص کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ایک دیندار آدمی تھا جس کے گزشتہ نیک اعمال یہ خودساختہ دعویٰ کرنے پر ضائع ہوگئے تھے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کے بُرے اعمال کو معاف نہیں کریں گے۔ مسلم میں بھی اس کا حوالہ موجود ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کسی کے دِل میں کیا ہے، یہ ایسا معاملہ ہے جس کے بارے میں فیصلہ دینے کی صلاحیت کسی کے پاس نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

« "ثَلاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ فَهُوَ مُنَافِقٌ وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَحَجَّ وَاعْتَمَرَ وَقَالَ إِنِّي مُسْلِمٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ" »

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"جس کسی میں یہ تین خصلتیں ہوں تو وہ منافق ہے، خواہ وہ روزے رکھتا ہو، نماز کی پابندی کرتا ہو، حج و عمرہ ادا کرے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ (وہ تین نشانیاں یہ**

ہیں): جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے"۔

ذرا غور کریں، ہم میں سے کوئی بھی منافق ہو سکتا ہے، وہ بھی جو نماز کی پابندی کرتا ہو اور وہ بھی جو نماز نہ پڑھتا ہو، وہ شخص بھی جو روزے رکھے اور وہ بھی جو نہ رکھتا ہو، وہ عورت بھی جو حجاب کرتی ہو اور وہ بھی جو اس کی پرواہ نہ کرتی ہو۔ یہ تو دراصل دل کا معاملہ ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمارے دِل میں موجود ایمان کے ایک ایک ذرّے سے بھی باخبر ہیں اور اس سے بھی جو کہ ہمارے دلوں میں نہیں ہے۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیوں اس کی پرواہ کریں کہ کس کا "ایمان" زیادہ ہے؟ ہم آخر موازنہ ہی کیوں کریں؟ بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ ہم دوسروں میں عیب تلاش کر کے موازنہ کر رہے ہوتے ہیں تا کہ یہ جان کر مطمئن ہوا جائے کہ دوسرا شخص بھی کوئی کامل مومن نہیں ہے؛ یا کبھی کبھی یہ موازنہ ہمیں اپنے آپ کیلئے مزید محنت نہ کرنے کا بہانہ فراہم کرتا ہے اور کبھی کبھار---- یہ واقعی اس لئے ہوتا ہے کہ ہم اپنا موازنہ ایسے شخص سے کرنا چاہتے ہیں جو بظاہر بہت "متقی و پرہیزگار" نظر آتا ہے۔

جو بات ہمیں جاننے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی اس بات سے باخبر ہیں کہ ہمارے دِلوں میں کیا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی یہ معلوم ہے کہ ہم کیا اعمال کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں۔ لیکن اس سب کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا نہیں کہا، یعنی ایک مسلمان بھائی یا بہن کی حیثیت سے ایک دوسرے کی رہنمائی کرنا اور ایک دوسرے کو نصیحت کرنا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ توبہ، آیت 71 میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا۔ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے"۔(التوبہ: 71)

ہم ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہیں... ہم ایک دوسرے سے بھلائی کرنے کے لئے ہی ہیں تا کہ اس کی نشاندہی کرتے رہیں کہ کیا حق ہے اور کیا باطل، تاکہ یک جان ہو کر ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔ ہاں، یہ ضرور درست ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دلوں میں نہیں جھانک سکتے، البتہ ہم اس بات سے بھی ہر گز اختلاف نہیں کریں گے ... کہ جب کسی کے دِل میں خالص اور حقیقی ایمان بھر جاتا ہے تو وہ ایمان اس کے اعمال سے بھی جھلکنے لگتا ہے۔ یہ ایمان اس شخص کے اطوار سے بھی نظر آنے لگتا ہے، یعنی جب وہ بولتا ہے، جب وہ چلتا ہے، وہ جیسا لباس پہنتا ہے ... ... غرض اس کے ہر عمل سے ایمان ظاہر ہونے لگتا ہے۔ یہ ایمان بالکل روشن اور واضح نظر آتا ہے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ انسان گنہگار پیدا ہوا ہے۔

« كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ »

"تمام بنی آدم خطا کار ہے لیکن ان خطاکاروں میں سے بہترین وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں"۔

یہ ایسا معاملہ نہیں جس کا فیصلہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان پر چھوڑ دیا ہو۔ یہ مباح اور مندوب کے زُمرے میں بھی نہیں آتا بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے فرض قرار دیا ہے لہٰذا اگر ہم اپنی فکر کا مزید گہرائی میں تجزیہ کریں تو کیا ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں زیادہ معلوم ہے؟ استغفر اللہ! در حقیقت ہمیں معلوم ہے کہ ایسے خیالات، معاشرے سے دین کا فہم مِٹ جانے اور ہر طرف سے آنے والے اختلافی دباؤ کو محسوس کرنے کے نتیجے کے طور پر پائے جاتے ہیں، خصوصاً نام نہاد آزاد خیال معاشروں میں جو چاہے مغرب میں ہوں یا وہ جو مغرب جیسا بننا چاہتے ہیں۔

ہم کوئی کامل مومن نہیں ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی کامل نہیں ہو سکتا۔ ہمیں ہمیشہ اپنے فرائض کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرنی چاہیئے اور اپنی خطاؤں و لغزشوں پر سچے دِل سے توبہ کرنی چاہیئے۔ کیا فرائض کی ادائیگی کے بغیر اسلامی شخصیت کی اقدار یا اخلاق کی کوئی حیثیت ہے ؟ کیا اسلامی شخصیت کی اقدار، یعنی اخلاق کے بغیر ادا کیے جانے والے فرائض قابلِ قبول ہیں ؟ اسلام اپنی مرضی سے چن لینے والے اعمال نہیں، یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ جُڑے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اسلام پر چلنے میں ہماری مدد کرے تاکہ ہم اللہ سبحانہ و تعالی کی رضا کی خاطر اسی طرح اس کی اطاعت کر سکیں جیسا اللہ سبحانہ و تعالی نے ہمیں حکم دیا ہے۔

فہرست

ناگزیر معاشی بحران اور اسلام کا نور

حزب التحریر امریکہ

اس سال، جیسا کہ ہم سب اشیائے صَرف کی تیزی سے بڑھتی قیمتوں، گزراوقات کے اخراجات میں اضافہ، بچت میں کمی اور آمدنی میں عدم مساوات کے اضافے سے نمٹ رہے ہیں، بڑے پیمانے پر یہ خیال کیا جارہا ہے کہ عالمی معیشت ایک بحران کی طرف جارہی ہے اور لاکھوں لوگوں کی معاشی حالت مزید ابتر ہو جائے گی۔ اگرچہ اس بحران کی آمد کے صحیح وقت کا اندازہ لگانا کافی مشکل ہے، تاہم بہت سے عوامل ایسے ہیں جو یہ نشاندہی کررہے ہیں کہ وہ معاشی بحران سرپر آن پہنچا ہے۔

اس بحران کی ایک بڑی نشانی لیبر مارکیٹ کے موجودہ حالات ہیں، جو گزشتہ چند مہینوں سے شدید گراوٹ کی علامات دکھارہے ہیں۔ حتیٰ کہ ٹیکنالوجی کے بڑے سورماؤں، جیسے گوگل اور ایمزون نے بھی معیشت کے غیر مستحکم ہونے کا حوالہ دیتے ہوئے، مشترکہ طور پر تیس ہزار ملازمتوں کو ختم کردیا۔ مزید برآں، ہاؤسنگ مارکیٹ میں سُست روی اور صارفین کی بچت میں کمی واقع ہونا، کسی آنے والے معاشی بحران کا پیش خیمہ ہیں۔ گزشتہ سال کے دوران کریڈٹ کارڈ کے قرض میں 15% کا اضافہ ہوا ہے، جو دو دہائیوں میں ہونے والا سب سے زیادہ اضافہ ہے، اور عمومی سطح پر بچت کے نہ ہو سکنے اور گزراوقات کے بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے مزید قرض پر انحصار کرنے کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک اور پہلو جو یہ نشاندہی کررہا ہے کہ شدید معاشی بحران آنے والا ہے، وہ ہے سٹاک مارکیٹ کی موجودہ حالت۔ S&P 500 حالیہ مہینوں میں اہم اصلاحات کا سامنا کررہا ہے اور بہت سے تجزیہ کاروں کا خدشہ ہے کہ آنے والوں مہینوں میں مارکیٹ میں مندی مسلسل جاری رہ سکتی ہے۔ اس کے علاوہ، طویل مدتی بانڈز پر منافع کے تاریخی پیمانے پر کم ترین سطح پر گرنے کے ساتھ مارکیٹ میں تنزلی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔

بہت سے ماہرین یہ پیشن گوئی دے رہے ہیں کہ آنے والا یہ بحران ماضی کے کشیدہ حالات سے بالکل مختلف ہو گا۔ Black Rock کمپنی،جو کہ دنیا کی سب سے بڑی Asset Manager کمپنی جانی جاتی ہے،اس نے بھی بہت جلد آنے والے معاشی بحران سے خبردار کیا ہے۔اس نے "World Outlook 2023" کے عنوان سے جاری کی گئی ایک رپورٹ میں بیان کیا ہے کہ اس دفعہ پالیسی ساز اس حد تک منڈیوں کو سہارا نہیں دے پائیں گے جس قدر سہارا انہوں نے گزشتہ بحران کی حالت میں دیا تھا اور اس طرح اس دفعہ آنے والے بحران میں منڈی میں پہلے کی نسبت زیادہ ہنگامہ خیزی ہوگی۔ حتیٰ کہ Block Rock کمپنی نے حال ہی میں "مارکیٹ کی صورتحال کے غیر یقینی" ہونے کو جواز بناتے ہوئے اپنے 3 فیصد ملازمین کو ملازمت سے نکال دیا۔اس کے علاوہ Morgan Stanley, Bank of America اور Deutsche Bank نے بھی خبردار کیا ہے کہ فیڈرل ریزرو کے سود کی شرح میں اضافہ سے پیدا ہونے والی معاشی بدحالی اور سرمایہ ڈوبنے کے خطرات کے باعث امریکی اسٹاک اس سال 20 فیصد سے بھی زیادہ حد تک نیچے گر سکتے ہیں۔یہاں تک کہ ورلڈ بینک نے بھی یہ کہا ہے کہ "عالمی سطح پر بڑھوتری اس حد تک سُست روی کا شکار ہوئی ہے کہ عالمی معیشت خطرناک حد تک کسی بحران میں گرنے کے قریب آن پہنچی ہے"۔

سرمایہ دارانہ نظام میں حکومت کے پاس یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق مزید کرنسی چھاپ سکتی ہے اور اگر پیسے کی فراہمی بہت تیزی سے بڑھ جائے تو ایسا کرنا افراطِ زر کی جانب لے جاتا ہے۔مثال کے طور پر، COVID-19 میں معاشی منڈی کے گر جانے کے بعد، امریکہ نے معیشت کو سہارا دینے کے لئے اس میں کھربوں ڈالر ڈال دیئے تھے اور ایسا ہی اقدام امریکہ نے 2008 میں ہاؤسنگ مارکیٹ کے گر جانے کے موقع پر کیا تھا۔ اور یوں اس کے نتیجے میں، معیشت کو دُوبارہ چالو کرنے کیلئے شرح سود کو تقریباً صفر تک گرا دیا گیا تھا۔اور اب افراطِ زر کے بڑھنے کے ساتھ، فیڈرل ریزرو نے شرح سُود کو پھر سے بڑھا دیا تاکہ افراطِ زر اور کرنسی کی سپلائی کو منظم کیا جا سکے۔COVID-19 کے باعث 2020 میں مارکیٹ گرنے کے بعد،اس بودے اور ناتواں معاشی نظام کو محض سہارا دینے کے لئے اب تک تقریباً 160 کھرب ڈالر چھاپے جا چکے ہیں۔

معاشی مارکیٹ میں اُتار چڑھاؤ کی یہ گردشی نوعیت سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس گردشی چکر کی شدت اور گردشی مدت مختلف ہوسکتی ہے، تاہم گزشتہ چند دہائیوں سے اس اُتار چڑھاؤ کی گردشی مدت میں خاصی کمی ہوگئی ہے۔ عالمی سطح پر وقوع پذیر ہونے والے اس گردشی معاشی عدم استحکام میں کاغذی (fiat) کرنسی اور شرح سود کا اہم اور نمایاں ہاتھ ہوتا ہے۔ مزید برآں، مالیاتی سیکٹر کا یہ اُتار چڑھاؤ اور قرضوں کے سہارے پر GDP میں اضافے کی لامتناہی کوشش میں عوام میں آمدن اور دولت کی تقسیم کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا۔ چالیس سال کے عرصہ میں افراطِ زر کی بلند ترین سطح کے ساتھ، گزراوقات اور خوراک کے بڑھتے ہوئے اخراجات کی صورتحال میں گرتی ہوئی بچت اور آمدن جو کسی طور بھی اس افراطِ زر سے مطابقت نہیں رکھتے، اوسط طبقہ کے لوگ اپنے اخراجات کو پورا کرنے سے قاصر ہوچکے ہیں اور دولت کے ارتکاز میں عدم مساوات مسلسل بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اعداد و شمار کا جائزہ لینے سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ یہ مسائل سرمایہ دارانہ نظام کے خمیر میں سے ہیں اور فقط 'خراب پالیسی' کے باعث نہیں۔

اس کے برعکس، انسانیت کے مسائل کے واحد حل کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ہمارے پاس بحیثیت مسلمان ایک اسلامی اقتصادی نظام موجود ہے۔ معاشی مسائل اور ان کے حل کے بارے میں اسلام کا نکتۂ نظر ایک منفرد معیار پر قائم ہے جس کا سرمایہ دارانہ نظام سے دُور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، اسلام کے معاشی نظام میں مالیاتی نظام کی بنیاد دو دھاتوں یعنی سونے اور چاندی کے معیار پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اسلام نے سونے اور چاندی کو مقررہ شرعی احکام سے منسلک کردیا ہے جیسے زکوٰۃ، خون بہا، چوری، کرنسی کا تبادلہ وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **« وَأَنَّ فِي النَّفْسِ الْمُؤْمِنَةِ مِائَةً مِنَ الإِبِلِ ، وَعَلَى أَهْلِ الْوَرِقِ أَلْفُ دِينَارٍ » "اور اگر کوئی مومن (ناحق قتل کیا جائے) تو اس کا بدلہ ایک سو اونٹ ہیں اور اہلِ ورق کے لئے ایک ہزار دینار واجب الادا ہیں"** (ابن قدامہ، المغنی)۔

سونے اور چاندی کی دھات کی کرنسی کے معیار کے طور پر اپنی ایک فطری قدر ہے، اور اسی لئے یہ دو دھاتی معیار قرضوں کی پیداوار، مرضی کے مطابق کرنسی کی چھپائی، اور افراطِ زر کے گردشی چکر کو ختم کردیتا ہے۔ اس نظام میں کرنسی بیت المال (سرکاری خزانے) میں موجود سونے اور چاندی کے ذخائر سے براہِ راست منسلک ہوتی ہے اور اس

طرح مارکیٹ میں کرنسی کی فراہمی کو منظم کیا جاتا ہے۔ اگر کسی قسم کا کوئی افراطِ زر آ بھی جائے تو اس کی وجہ طلب اور رسد میں کمی بیشی ہو سکتی ہے نہ کہ مالیاتی پالیسی جیسا کہ آج کل ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔ مزید بر آں، چونکہ کرنسی کی قدر سونے اور چاندی سے منسلک ہوتی ہے تو اسی وجہ سے مختلف کرنسیوں کے ساتھ تبادلہ ایک مقررہ شرح کے مطابق ہوتا ہے اور یہ معیار کرنسی کی قدر میں اچانک اتار چڑھاؤ کی روک تھام کرتا ہے۔ در حقیقت، سونے اور چاندی کو کرنسی کی بنیاد بنانے سے کرنسی کی حقیقی قدر اور کسی قسم کے گردشی اُتار چڑھاؤ کے بغیر پائیدار ترقی اور معاشی استحکام آتا ہے۔

اسلامی اقتصادی ماڈل صرف پیداوار میں اضافہ کرنے کی بجائے دولت کی تقسیم پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں حقیقی معیشت پر زور دیا جاتا ہے اور آج کے دور کی طرح کی مالیاتی منڈیوں کی ممانعت ہو گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ درکار سرمایہ کی فراہمی معیشت میں اہم کردار ادا کرتی ہے لیکن یہ کاروباری شراکت داری کے ذریعے ہو گا جس کا مقصد منافع کمانا اور نقصان میں شراکت داری ہو گا۔ رباء (سُود) کی ممانعت موجودہ مالیاتی اداروں کا خاتمہ کردے گی جن کی بنیاد ہی قرضہ جات اور تباہ کن مالیاتی آلات ہیں۔ اس کے علاوہ، سُود کی حرمت دولت کے ارتکاز کو بھی ختم کرنے میں مدد کرتی ہے۔ زکوٰۃ کی ترویج اور اس کے ساتھ ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری کی مُمانعت، یہ سب ریاست میں اموال کی تقسیم میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اس طرح ریاست میں معاشی ترقی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اسلام نے ایسے احکام وضع کئے ہیں کہ دولت محض امیروں میں ہی گردش نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مَّآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ مِنْ أَهْلِ ٱلْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَـٰمَىٰ وَٱلْمَسَـٰكِينِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ كَىْ لَا يَكُونَ دُولَةًۢ بَيْنَ ٱلْأَغْنِيَآءِ مِنكُمْ﴾ **"اللہ جو کچھ بھی اپنے رسول ﷺ کو بستیوں والوں سے ہاتھ لگوادے، سو وہ اللہ اور رسول ﷺ کے واسطے ہے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافر کے لئے، تاکہ دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش نہ کرتا رہ جائے"** (الحشر؛ 59:7)۔

درج بالا مذکور اسلامی معاشی نظام کا صرف ایک مختصر سا جائزہ ہے، جس کا عملی نفاذ اس وقت عدم موجود ہے۔ اسلامی معاشی نظام کے حقیقی ثمرات اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ اسلام کا مکمل نظام یعنی خلافت قائم

نہ ہو جائے۔اسلام کا معاشی نظام، اسلام کے سماجی، عدالتی اور سیاسی نظام کے ساتھ مل کر ہی کام کرتا ہے۔موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں چند اسلامی معاشی پالیسیوں کی آمیزش قطعی غیر منطقی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے الہامی نظام کو بھی بے قدر کردیتی ہے۔ ہمارا دین ہر دور کے لئے قابلِ عمل ہے اور اس دین کے الہامی احکام ساری دنیا کے مسائل کا حل ہیں۔

حزب التحریر نے اسلامی طرز زندگی کے احیاء کے لیے اپنی کوششیں وقف کردی ہیں۔موجودہ عالمی نظام کو سمجھنا اوراس کے معاشی نظام کا مکمل فہم رکھنا حزب التحریر کی نمایاں فضیلت میں شامل ہے۔اس کے علاوہ، ہم اس بارے میں تفصیلی منصوبے پیش کرتے ہیں کہ کس طرح موجودہ معاشی نظام سے اسلام کے آئین اور حکمرانی کے ضابطہ کے تحت اسلامی نظام کی طرف منتقلی کی جائے گی۔ ان معاملات پر ہمارا تفصیلی لٹریچر دنیا کے لئے ایک نیا وژن پیش کرتا ہے۔ہماری امت اور دنیابھر کے لئے ایک نیا وژن،یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا، امن،خوشحالی اور آخرت میں نجات کی راہ کے لئے دنیا بھر کی رہنمائی کرنا۔ایک نیا وژن جو دنیا کو سرمایہ دارانہ نظام کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کے نور سے منور کرنا چاہتا ہے۔لہٰذا ہم امتِ مسلمہ سے کہتے ہیں کہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ہی ڈریں اور اُسی پر بھروسہ رکھیں اور ایک نئے مستقبل کا تصور کرنے کی ہمت کریں۔

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ ٱلْقُرَىٰٓ ءَامَنُوا۟ وَٱتَّقَوْا۟ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَـٰتٍ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ وَلَـٰكِن كَذَّبُوا۟ فَأَخَذْنَـٰهُم بِمَا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ﴾

"اور اگر بستیوں والے یقین لاتے اور اللہ سے ڈرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن وہ (رسولوں کو) جھٹلانے لگے تو ان کے اعمال کی کمائی کے بدلے، ہم نے ان کو جا پکڑا" (الاعراف:96)

12رجب،1444ہجری

3فروری،2023عیسوی

حزب التحریر

امریکہ

فہرست

پاکستان کی مسلح افواج کی قلیل فنڈنگ، بھارت کو علاقائی بالادست کے طور پر ابھرنے کی اجازت دینے کے لیے ہے

محمد سلجوق، پاکستان

تعارف:

خلافت کے انہدام نے مسلمانوں کو اُن کی قوت سے محروم کر دیا اور ان کی سیاسی بصیرت کو بھی دُھندلا کر رکھ دیا۔ 1924ء کے بعد سے مسلمانوں پر آن پڑنے والی آفات میں سے سب سے بڑی آفت، مسلمانوں کی بیرونی جارحیت کے خلاف اپنا دفاع کرنے کی صلاحیت سے محرومی تھی۔ مصنوعی مسلم قومی ریاستوں کی مغربی یا سوویت اتحاد میں شمولیت نے معاملات کو مزید خراب کر دیا، کیونکہ اس نے کافر استعماری طاقتوں کو ان کے دفاعی شعبے کی ترقی پر مکمل کنٹرول کرنے کے قابل بنا دیا۔ پاکستان، ایران، ترکی اور مصر جیسے بڑے مسلم ممالک نے اپنی دفاعی ضروریات کو امریکہ یا نیٹو کی ترجیحات کے مطابق ترتیب دیا۔ ایک طرف وہ سوویت یونین کے خلاف مغربی اتحادی نظام کی مشکل میں آسانیاں پیدا کر رہے تھے تو دوسری طرف علاقائی سطح پر وہ علاقائی حریفوں کے ساتھ مصروف عمل تھے۔ ان دشمنیوں کو نام نہاد ڈی کالونائزیشن کے ذریعے منظم کیا گیا اور ایجنٹ حکمرانوں نے اسلامی وسائل کو اپنے علاقوں تک محدود کر لیا۔

اسلامی برصغیر کی برطانوی تقسیم سے پیدا ہونے والی پاک بھارت دشمنی نے، دونوں ممالک کو جنوبی ایشیا میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑی مسلح افواج تیار کرنے، اور قابل قدر دفاعی اخراجات مختص کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ پاکستان، اپنے وجود کے پہلے 40 سالوں میں، SEATO اور CENTO کے مغربی اتحاد کے نظام کا حصہ بن گیا، جبکہ بھارت ظاہری طور پر سوویت یونین کے ساتھ جڑا ہوا تھا، جبکہ حقیقت میں وہ برطانیہ کے زیر اثر تھا۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد عالمی اسٹریٹیجک منظر نامے میں تبدیلی کے ساتھ، جنوبی ایشیا میں علاقائی عسکری صورتحال بھی بدلنا شروع ہوئی۔

ہندوستان اور پاکستان کے دفاعی اخراجات میں حالیہ تقابلی رجحانات کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ یہ سمجھنا اہم ہے کہ پاکستان دفاع پر اتنا کم خرچ کیوں کر رہا ہے تاکہ اس سے لاحق ہونے والے خطرات کے بارے میں اہلِ قوت کے اندر احساس کو اجاگر کیا جاسکے۔ یہ دلائل اسٹریٹیجک بھی ہیں اور اعداد و شمار پر مبنی بھی ہیں، جو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان فوجی صلاحیتوں میں بڑھتے ہوئے فرق کو ظاہر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ حالات کو ایک نئے فریم ورک کے تحت کیسے حل کیا جائے۔ اہلِ قوت سے متعلقہ اس اہم موضوع پر بیداری کو بڑھانا ضروری ہے کیونکہ ان ہی سے مسلمان دوسری ریاست خلافت راشدہ کے قیام کے لیے نصرۃ (مادی مدد) حاصل کرتے ہیں۔

سرد جنگ کے اختتام کے بعد کا امریکی ایجنڈا

امریکہ کا عالمی ایجنڈا سوویت یونین کے بعد کے یورپ میں اثر و رسوخ کے دائرہ کو مستحکم کرنے اور 1991ء کے بعد ایشیا میں کسی بھی بڑی طاقت کو ابھرنے سے روکنے کی طرف منتقل ہو گیا۔ سرد جنگ کے دوران، امریکہ نے سوویت یونین پر قابو پانے اور اسے اکیلا کرنے کے لیے چین کے ساتھ اتحاد کیا۔ تاہم، امریکہ نے، ایشیا پیسیفک میں چین کے ممکنہ حریف ہونے سے ہوشیار رہتے ہوئے، چین کو لبرل فری مارکیٹ کے عالمی اداروں میں ضم کرنے کی کوشش کی، تاکہ اس کے عروج پر قدغن لگائی جاسکے اور اس پر قابو پایا جاسکے۔ امریکی عالمی بالادستی کا دوسرا ممکنہ حریف ایک مضبوط خلافت ریاست کے تحت وسیع مسلم دنیا کی وحدت ہے۔ دنیا بھر کے مسلم معاشرے مغرب کی استعماری اقدار کو مسترد کر رہے ہیں، اور اسلامی طرز زندگی کی طرف لوٹنے کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا رجحان ہے جس پر امریکی اور مغربی انٹیلی جنس قریب سے نظر رکھے ہوئے ہیں۔

یوں جنوبی ایشیاء 1990ء کی دہائی کے وسط میں امریکہ کے لیے ایک بڑی توجہ کا مرکز بن گیا۔ 1947ء میں اسلامی برصغیر کی تقسیم کے بعد سے جنوبی ایشیائی سیاست روایتی طور پر پاک بھارت دشمنی سے متعین ہوتی ہے۔ لیکن سرد جنگ کی علاقائی حکمت عملی کے برعکس، امریکہ کو اب ایک مضبوط پاکستان کی ضرورت نہیں رہی، بالخصوص پاکستان کی مضبوط مسلح افواج کی، کیونکہ اس نے بڑھتے ہوئے چین اور خلافت کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے

بھارت کو اپنے سٹریٹجک پارٹنر کے طور پر منتخب کر لیا، کیونکہ یہ ریاستِ خلافت ہی ہو گی جو پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان اور وسطی ایشیا کو متحد کر کے واحد طاقتور اسلامی ریاست بنائے گی۔ ان علاقائی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے، امریکہ نے افغانستان میں متحارب پشتون قبائل کے خلاف 2001 سے 2021 تک "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے نام سے بیس سالہ جنگ چھیڑ دی۔ امریکہ کی قیادت میں نیٹو اتحاد نے بیس سال تک افغانستان میں اپنی براہِ راست موجودگی برقرار رکھی، یہاں تک کہ طالبان کی زیر قیادت پشتون قبائل کی شدید مزاحمت کے درمیان ان کے لیے اپنی مہنگی موجودگی برقرار رکھنا ممکن نہ رہا۔

پاک فوج کو کمزور کرنے اور اس کے وسائل کو استعمال کرنے کے لیے، اسے داخلی سلامتی پر مرکوز کرتے ہوئے، امریکہ نے پاکستانی قیادت میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے پاک فوج کو ڈیورنڈ لائن کے اندر اور اس کے پار پشتون قبائل کے خلاف لڑنے پر مجبور کیا۔ امریکہ کی "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے بیس سالوں میں پاکستان کا معاشی نقصان 150 ارب ڈالر رہا، 82,000 ہلاکتیں ہوئیں اور 35 لاکھ کی آبادی اندرونی طور پر بے گھر ہو گئی۔ پاکستانی قیادت نے جان بوجھ کر اپنی توجہ کو روایتی بھارتی خطرے سے ہٹ کر مرکوز کیا، اور اس طرح بھارت کو چین کے خلاف اپنی فوجی صلاحیت بڑھانے کے قابل بنایا۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ اور پاکستان کی مسلح افواج کے لئے ناکافی اور قلیل بجٹ کا مختص کرنا

پاکستانی مسلح افواج، خصوصاً آئی ایس آئی (ISI) کی جانب سے ادارے کی سطح پر امریکہ کے حوالے سے روائیتی شکوک وشبہات نے امریکہ کو اس سے روکے رکھا تھا کہ وہ داخلی سطح پر پاکستان کے اندر پاک مسلح افواج کے بجٹ کی کٹوتی اور تخصیص کرنے کے متعلق بحث کو چھیڑ سکے۔ تاہم، چونکہ پاک فوج نے اپنے آپ کو قبائلی علاقوں میں اُلجھا لیا تھا، اس لئے امریکہ کے لئے بتدریج یہ ممکن ہو گیا کہ وہ داخلی طور پر انسدادِ دہشت گردی آپریشنز اور خارجی طور پر بھارت کا سامنا کرنے کے مقصد کے مطابق، فوج کے حجم اور اس کے بجٹ کو ڈھالنے کی بحث میں اپنا استدلال پیش کر

سکے۔ جبکہ دوسری طرف، بھارت نے اپنے دفاعی اخراجات میں اضافہ کر دیا اور پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف جنگ پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اپنے دفاعی اخراجات کو کم کر دیا۔

2000-2010 کے دوران کے اعداد و شمار، بھارت کے دفاعی بجٹ میں زبردست اضافے کو ظاہر کرتے ہیں، جس میں بعد میں بھی پاکستان کے مقابلے میں تسلسل کے ساتھ اضافہ ہوتا رہا ہے۔ یہ وہی وقت تھا جب پاکستان نے قبائلی علاقوں میں دہشت گردی کے خلاف جنگ تیز کی تھی۔

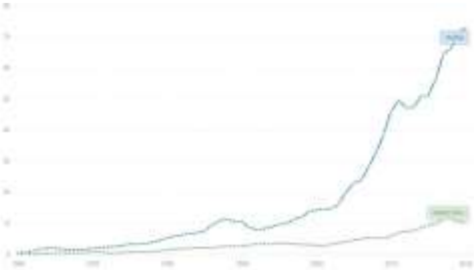

(Source: SIPRI International)

'باجوہ ڈاکٹرائن' اور اس کے پاکستان کے دفاعی اخراجات پر پڑنے والے اثرات

پاکستان کی مسلح افواج نے جنرل قمر جاوید باجوہ کے بطور آرمی چیف کے دور (2016-2022) میں دفاعی اخراجات میں سب سے زیادہ اور تیز ترین کٹوتی کا مشاہدہ کیا۔ 'دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ' کے اختتام کے باوجود، جنرل باجوہ نے معاشی سیکیورٹی اور جیو اکنامکس کے امریکی بیانیہ کو ترویج دی تاکہ مسلح افواج کے بجٹ میں کٹوتی کو جاری رکھا جائے۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلام دشمن انتہا پسند ہندوتوا پارٹی BJP، بھارت میں دوبارہ اقتدار میں آچکی تھی اور نریندرا مودی اس کا وزیرِاعظم تھا۔ بھارت میں BJP کی حکومت نے، ہر آنے والی امریکی انتظامیہ کی پشت پناہی سے پاکستان کے خلاف پیش قدمی اور جارحانہ رویہ اختیار کیا۔ سفارتی محاذ پر جارحیت کے ساتھ ساتھ، مودی حکومت نے پاکستان کے خلاف عسکری محاذ پر بھی تیزی دکھانا شروع کر دی۔ ان انتہائی واضح نشانیوں کے باوجود، جنرل

باجوہ نے تحمل کی پالیسی جاری رکھی اور 'محدود فوج' کی حمایت وتائید کرتے رہے جسے بھارت کے ساتھ اسلحہ کی دوڑ میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پاکستان کی جغرافیائی حکمت عملی (geo-strategy) اور جغرافیائی سیاست (geo-politics) کو معیشت کے تابع کرتے ہوئے، معاشی سکیورٹی کو پاکستان کی حکمت عملی کا مرکز بنانا، باجوہ ڈاکٹرائن کا بنیادی اصول تھا۔ اور یہی نکتۂ نظر کئی مختلف پہلوؤں سے پاکستان کے لئے تباہ کن ہے۔

اول: بھارت اور پاکستان کے دفاعی اخراجات میں فرق اس حد تک بڑھ جائے گا کہ پاکستان کے لئے بھارت کی فوجی صلاحیتوں سے موازنہ کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ باجوہ-عمران حکومت نے پاکستان کے دفاعی بجٹ کو مسلسل دو سال(2019-2021) تک منجمد کئے رکھا، جبکہ دیگر برسوں میں بھی اس بجٹ میں صرف معمولی اضافہ ہی ہوا۔اس سب کے دوران بھارت نے لمبی چھلانگ لگاتے ہوئے اپنے دفاعی اخراجات میں خاطر خواہ اضافہ کرلیا، جیسا کہ ذیل میں نمایاں واضح کیا گیا ہے:

YEAR	PAKISTAN ($ M)	INDIA ($ M)
2014	8,655	50,914
2015	9,483	51,295
2016	9,974	56,638
2017	11,461	64,550
2018	11,732	66,258
2019	10,388	71,469
2020	10,376	72,887
2021	11,305	76,598

اسی طرح باجوہ-عمران حکومت نے پاکستان کے جوہری اور میزائل پروگرام پر بجٹ اخراجات بھی منجمد کردیئے۔ بھارت کے مقابلہ میں پاکستان نے بہت تھوڑے میزائل ٹیسٹ کئے جو کہ باجوہ ڈاکٹرائن کے تحت بھارت کے ساتھ نارملائزیشن اور تحمل کی پالیسی کا حصہ تھا:

Year	Tests Conducted by Pakistan	Tests Conducted by India
2016	1	2
2017	3	10
2018	3	26
2019	5	22
2020	3	8
2021	4	5
2022	0	2
Total (2016-2022)	**19**	**75**

دوم: بھارت اور پاکستان کے مابین اسلحہ کی درآمد کا فرق بڑھتا چلا جارہا ہے۔اور اس فرق سے پاکستان کی نسبت بھارت کی جنگ لڑنے کی صلاحیت میں براہِ راست بہتری پیدا ہوئی ہے۔امریکہ اور دوسرے مغربی اسلحہ فروخت کرنے والوں نے بھارت پر سے سرد جنگ دور کی اسلحہ برآمد پر پابندی ختم کردی ہے اور بھارت کے ساتھ اپنے اسلحہ کی فروخت کھول دی ہے۔ذیل میں SIPRI کے اسلحہ تبادلہ کے ریکارڈ کے مطابق، بھارت اور پاکستان کے 2014 سے 2020 تک کے اہم درآمدی اعداد و شمار دیئے گئے ہیں:

Year	Indian Arms Import (Million Dollars)	Pakistan's Arms Imports (Million Dollars)
2014	3,347	828
2015	3,117	779
2016	3,003	837
2017	2,909	837
2018	1,485	799
2019	3,075	521
2020	2,799	759

مذکورہ بالا اعداد و شماریہ ظاہر کرتے ہیں کہ اوپر تجزیہ کئے گئے برسوں کے دوران بھارت، پاکستان کی نسبت تقریباً چار گنا زیادہ اسلحہ درآمد کرتا رہا ہے۔ 2017 سے 2021 کے دوران، بھارت اہم اسلحہ کی خرید کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا درآمدی ملک رہا ہے۔

سوم: "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے خاتمہ اور امریکہ کے افغانستان سے انخلاء، نے پاکستان کے فیصلہ سازوں کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ فوج کا رُخ انسدادِ دہشت گردی سے موڑ کر روایتی پالیسیوں اور اصولوں کی جانب کریں۔ تاہم، جنرل باجوہ کی سربراہی میں امریکی پُشت پناہی سے چلنے والی قیادت نے انسدادِ دہشت گردی کے اداروں کو ہی مضبوط کیا اور ملک کی خستہ معاشی صورتحال کا بہانہ بناتے ہوئے روایتی نظریہ کو نظر انداز کیا۔ اس کے برعکس پاکستان کی ترقی کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے محدود بجٹ میں کامیابی کے ساتھ مضبوط فوج اور ایٹمی اثاثے بنائے۔ اس نے بھارت کو قابو میں رکھا اور مناسب بجٹ کے ساتھ سوویت یونین کو افغانستان میں شکست دی۔ دفاعی اخراجات کو منجمد کرنا، جو کہ درحقیقت افراطِ زر کے حساب سے ان اخراجات میں کٹوتی ہے، ہماری جنگ لڑنے کی صلاحیت پر تباہ کن اثر ڈالے گا۔ خلافت کا قیام، خلافت کی اسلامی قیادت کے ارد گرد خطے کو جمع کرنا، اور مسلمانوں کی مقبوضہ سرزمین کی آزادی کے لیے فوج کو متحرک کیا جانا نہایت ضروری ہے۔

آئندہ کا لائحہ عمل اور ایک نیا وژن:

پاکستان کے فیصلہ سازوں، یعنی اہلِ نصرۃ، پر لازم ہے کہ وہ اس بات کا احساس کریں کہ پاکستان کی جنگ لڑنے کی صلاحیتوں میں کمی کرنے سے جغرافیائی سیاست میں کوئی ایسی تبدیلی نہ آئے گی کہ جو اس خطے اور اُمت کے لئے فائدہ مند ثابت ہو۔ مزید یہ کہ امریکہ یا چین میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کی سطحی سوچ بھی کوئی تبدیلی نہ لا سکے گی کیونکہ یہ دونوں عالمی طاقتیں اپنی فطرت میں استحصالی اور استعماری ہیں۔ انہیں صرف ہمارے مفادات اپنی تحویل میں چاہئیں اور وہ اپنے مفادات کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ ہمیں جس کی ضرورت ہے وہ ایک جرأت مندانہ مؤقف ہے جو کہ عالمی نوعیت کا ہو، اور جو منکر کو رد کرتا ہو اور خیر کی دعوت دیتا ہو۔ اور یہی ہمارے پیارے دین اسلام کا بھی تقاضا ہے، کہ ظلم و جبر کی

آئیڈیالوجیز کے خاتمہ کے لئے لڑا جائے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دین پھیلایا جائے، جو کہ تمام انسانیت کے لئے واحد راہِ نجات ہے۔

اسلام کے روشن نظریہ اور خلافت کی صورت میں ریاست کی جانب سے اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی مسلح افواج پر لازم ہے کہ وہ جہاد کے ذریعے اسلام کی دعوت کو لے کر آگے بڑھنے کے قابل ہوں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ غالب مغربی عسکری ماڈل سے یکسر مختلف ایک اسلامی مثالی ماڈل کی طرف تبدیلی ، جو اقدامی پیش قدمی پر مبنی نکتہ نظر کے لئے مناسب بجٹ کو مختص کرنے کی یقین دہانی کرے۔ یہ اسلام کا عسکری ڈاکٹرائن ہوگا جو جنگ کو ہمارے دشمنوں تک لے جائے گا اور یوں ہماری اسلامی سرزمینوں پر بیرونی حمایت کردہ فتنہ وفساد کا خاتمہ ہوسکے گا۔

اگر پاکستان اسلام کا نفاذ کرتا ہے تو اس کے پاس وہ تمام ضروری فنڈز اور صلاحیت موجود ہے کہ وہ اس تبدیلی کی قیادت کرے۔ اسلام رباء (سود) کی ممانعت کرتا ہے۔پاکستان کے اخراجات کا ایک خاطر خواہ حصہ جو کہ تقریباً 45 فیصد ہے اور وہ سود کی ادائیگی میں خرچ ہو جاتا ہے، اس کو فوراً بند کر دیا جائے گا اور اس سرمایہ کو ریاست کی دفاعی اور صنعتی ترقی کی جانب موڑ دیا جائے گا۔ اس سے ہماری صنعتی بنیادوں کو وسعت ملے گی اور اس کے نتیجے میں ایک زبردست دفاعی اور سماجی شعبے کا قیام ہوگا۔ پاکستان کو 'باجوہ ڈاکٹرائن' کی ہرگز ضرورت نہیں، جس کا نتیجہ صرف ہماری مسلح افواج کو ناکافی فنڈز مہیا کرنے اور اس لئے اپنی صلاحیتوں پر سمجھوتہ کرنے کی صورت میں نکلا ہے۔ ہمیں اپنی نئی ریاست کے بنیادی مصدر کے طور پر اسلامی عقیدہ کی ضرورت ہے، وہ ریاستِ خلافت جو اسلامی علاقوں اور ذرائع کو وحدت بخشے گی تاکہ دنیا کی سب سے جدید اور خوفزدہ کر دینے والی فوج کو اموال مہیا ہوسکیں۔ایک ایسی فوج جس کی قیادت خالد بن ولید، سلطان محمد فاتح اور ٹیپو سلطان جیسے لوگ کریں گے اور جو نہ صرف مقبوضہ سری نگر اور مسجد الاقصیٰ کو آزاد کرائے گی بلکہ واشنگٹن، لندن، پیرس، بیجنگ اور ماسکو کو بھی اسلام کے لئے فتح کرے گی۔

یہ سب تب ہی ممکن ہو گا جب اُمت ایک راية العقاب یعنی لاالہ الا اللہ کے جھنڈے کے سائے تلے متحد ہو گی، اور اپنے رب کی جانب سے مضبوطی پا کر اور اپنے دین کے ذریعے باوقار ہوتے ہوئے پہلے کی طرح ایک شاندار امت کی صورت میں لوٹے گی۔

﴿ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴾

"اور اس روز مسلمان شادمان ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہی اصل غالب و مہربان ہے"(الروم:5-4)

فہرست

سوال وجواب: قضاء وقدر

(عربی سے ترجمہ)

محمد طاہر حمیدی کیلئے

سوال:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افغانستان سے ہمارے فاضل امیر کو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اللہ سبحانہ وتعالی سے امید کرتا ہوں کہ آپ خیر وعافیت سے ہونگے، اللہ سبحانہ وتعالی سے دعا ہے کہ ہمیں جلد فتح وکامیابی اور ریاست سے نوازے۔ محترم امیر! آج کل میں کتاب "اسلامی شخصیت" پڑھ رہا ہوں، چنانچہ قدر کے مسئلے میں مجھے اس رائے کا سامنا ہوا جو اس رائے کے بر خلاف ہے جس کو ہم نے کتاب "نظام الاسلام" میں پڑھا تھا۔ میں ان دونوں کتابوں سے ان دونوں عبارتوں کو نقل کرتا ہوں، تاکہ آپ اس اختلاف کے سبب کو ہمارے لیے بیان کریں اگر یہ واقعی اختلاف جیسا کہ میں نے سمجھا ہے۔

شیخ تقی الدین النبھانی رحمہ اللہ نے کتاب "نظام الاسلام" کے چھٹے ایڈیشن کے صفحہ 19 میں انسانی خصوصیات کے بارے میں بتانے کے بعد فرمایا: [پس اشیاء اور انسان کی یہ متعین خصوصیات، جنہیں اللہ تعالی ہی نے پیدا فرمایا ہے، 'قدر' کہلاتی ہیں، کیونکہ اللہ ہی نے اشیاء، جبلتوں اور جسمانی حاجات کی تخلیق کی ہے اور ان کے اندر ان کی

خصوصیات کے اندازے (یعنی قدر) مقرر کر دیے ہیں۔ یہ خصوصیات خود ان اشیاء کی پیدا کردہ نہیں اور نہ ہی بندے کو ان سے کوئی سروکار ہے اور نہ بندے کا اس میں کوئی عمل دخل ہے]۔

اس کے بعد کتاب "اسلامی شخصیت" جزو اول کے چھٹے ایڈیشن کے صفحہ 31 میں قدر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: (اور قدر وہ خاصیت ہے جس کو انسان ایک چیز میں وجود میں لاتا ہے جیسا کہ آگ میں جلانے کی خاصیت، چھری میں کاٹنے کی خاصیت)۔

کیا ان دونوں عبارتوں میں اشیاء اور انسان میں خاصیتوں کو وجود میں لانے اور پیدا کرنے میں اختلاف نہیں؟ کتاب "اسلامی شخصیت" میں جو آیا ہے اس سے کیا مقصود ہے؟ کیا انسان کے فعل (پیدا کرنے) کا مطلب تخلیق اور وجود میں لانا ہے؟ اگر آپ اس پر روشنی ڈالیں جس میں ہمیں تعارض و تضاد نظر آرہا ہے؛ ہمارے دل سے شک دور ہو جائے گا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور آپ کو ہر برائی اور پریشانی سے بچائے۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پہلا: نظام الاسلام - قضاء وقدر کے باب صفحہ 18-19 میں ہے

اب رہی بات قدر کی، تو یہ بات ظاہر ہے کہ تمام افعال، خواہ وہ اُس دائرے سے تعلق رکھتے ہوں جو انسان پر حاوی ہے یا وہ اس دائرے کے ماتحت ہوں جس پر انسان حاوی ہے، کائنات انسان اور حیات کے ذریعے رُونما ہوتے ہیں یا کائنات انسان اور حیات پر واقع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اشیاء کے لیے کچھ خاصیتیں متعین کی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آگ میں جلانے کی خاصیت رکھ دی، لکڑی میں جلنے کی صفت رکھ دی اور چُھری میں کاٹنے کی تاثیر رکھ دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان خاصیتوں کو اشیاء کے لیے لازم قرار دے دیا اور یہ اشیا کبھی بھی ان خاصیتوں کی خلاف ورزی نہیں کرتیں۔ جب کبھی یہ اشیاء اپنی فطرت کی خلاف ورزی کرتی ہیں تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اِن کی یہ خاصیت سلب کی ہوتی ہے اور

یہ ایک خلافِ معمول اَمر ہوتا ہے جو انبیاء سے بطورِ معجزہ صادر ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اشیاء کے اندر خاصیتیں پیدا فرمائی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر جبلتیں اور جسمانی حاجات رکھ دی ہیں۔ پھر ان جبلتوں اور جسمانی حاجات کے اندر بھی اشیاء کی خاصیتوں کی مانند کچھ متعین خاصیات پیدا کر دی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جبلتِ نوع میں جنسی میلان تخلیق کر دیا، جسمانی حاجات میں بعض خاصیتیں رکھ دیں مثلاً بھوک اور پیاس وغیرہ۔ پھر نظامِ کائنات کے مطابق انہیں لازم بنادیا۔ پس اشیاء اور انسان کی یہ متعین خاصیات، جنہیں اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے، 'قدر' کہلاتی ہیں، کیونکہ اللہ ہی نے اشیاء، جبلتوں اور جسمانی حاجات کی تخلیق کی ہے اور ان کے اندر ان کی خصوصیات کے اندازے (یعنی قدر) مقرر کر دیے ہیں۔ یہ خصوصیات خود ان اشیاء کی پیدا کردہ نہیں اور نہ ہی بندے کو ان سے کوئی سروکار ہے اور نہ بندے کا اس میں کوئی عمل دخل ہے۔ انسان کو اس بات پر ایمان رکھنا چاہیے کہ صرف اللہ ہی نے ان اشیاء کے اندر خاصیات ودیعت فرمادی ہیں۔ ان خاصیتوں کے اندر یہ قابلیت ہے کہ انسان ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے موافق بھی عمل کر سکتا ہے، جو کہ خیر ہے اور اللہ کے احکامات کے مخالف عمل بھی کر سکتا ہے، جو کہ شر ہے۔ خواہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ان اشیاء کو ان کی خصوصیات کے مطابق استعمال کرنے کے حوالے سے ہو یا جبلتوں اور جسمانی حاجات کو پورا کرنے کے لحاظ سے ہو۔ اگر یہ افعال اللہ کے اوامر و نواہی کے مطابق ہوں گے، تو خیر کہلائیں گے اور اگر اللہ کے اوامر و نواہی کے خلاف ہوں گے، تو شر کے زمرے میں آئیں گے۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ وہ افعال، جو اُس دائرے میں سے ہیں جو انسان پر حاوی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہیں، خواہ وہ خیر ہوں یا شر۔ وہ خاصیتیں، جو اشیاء اور جبلتوں اور جسمانی حاجات میں پائی جاتی ہیں، وہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں، خواہ ان کا نتیجہ خیر ہو یا شر۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کو قضاء پر ایمان رکھنا چاہیے، قطع نظر اس بات کے، کہ وہ خیر ہو یا شر۔ یعنی وہ یہ اعتقاد رکھے کہ وہ افعال جو انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں، وہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ اور اسی طرح وہ قدر کے خیر و شر کے بھی مِن جانب اللہ ہونے پر ایمان رکھے۔ یعنی وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اشیاء کے اندر موجود خواص طبعی لحاظ سے اللہ کی طرف سے ہیں، خواہ ان کا نتیجہ خیر ہو یا شر اور انسان ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ پس انسان کی اجل (موت کا مقررہ وقت)، اس کا رزق اور اس کی روح، سب اللہ کی قدرت میں ہیں۔ جس طرح جبلتِ نوع کے اندر پایا

جانے والا جنسی میلان، جبلتِ بقاء کے اندر موجود ملکیت کی خواہش اور اسی طرح جسمانی حاجات جیسا کہ بھوک اور پیاس، سب کے سب مِن جانب اللہ ہیں۔]

یعنی (قضاء و قدر) کی اصطلاح میں قدر سے مراد اشیاء کی وہ خاصیتیں ہیں جن کو اللہ نے ان اشیاء کے اندر پیدا کیا ہے۔۔۔

دوسرا: کتاب اسلامی شخصیت جزو اول—باب اسلامی عقیدہ صفحہ 32-33 آیا ہے [۔۔۔اور قضاء وقدر کی دلیل عقلی ہے کیونکہ قضاء کا تعلق دو امور سے ہے: پہلا وہ جس کا نظام کائنات تقاضا کرتا ہے، اس کی دلیل عقلی ہے کیونکہ اس کا تعلق خالق سے ہے، دوسرا امر انسان کا وہ فعل ہے جو اس سے صادر ہوتا ہے یا جبراً اس پر واقع ہوتا ہے، یہ محسوس چیز ہے جس کا ادراک حواس کے ذریعے ممکن ہے اس لیے اس کی دلیل عقلی ہے۔ قدر وہ خاصیت ہے جس کو انسان اشیاء میں عملی جامہ پہناتا ہے جیسے آگ میں جلانے کی خاصیت، چھری میں کاٹنے کی خاصیت۔ یہ خاصیت محسوس چیز ہے جس کا ادراک حواس کے ذریعے ممکن ہے، یوں قدر کی دلیل عقلی ہے۔]

یعنی (قضاء و قدر) کی اصطلاح میں قدر سے مراد اشیاء کی وہ خاصیتیں ہیں جن کو انسان ان اشیاء میں استعمال کرتا ہے۔۔۔

تیسرا: اسی طرح اسی کتاب اسلامی شخصیت جزو اول—قضاء وقدر کے باب میں صفحہ 94-99 میں آیا ہے

[قضاء وقدر کا موضوع یا دوسرے الفاظ میں قضاء وقدر کا مسئلہ بندوں کے افعال اور اشیاء کی صفات ہیں۔ یہ اس طرح کہ درپیش مسئلہ بندوں کے افعال اور ان افعال سے پیدا ہونے والے نتائج ہیں یعنی وہ صفات ہیں جن کو انسان اشیاء میں انجام دیتا ہے کیا یہ اللہ کی تخلیق ہے یعنی کیا اللہ نے ان کو پیدا کیا اور وجود بخشا ہے؟ یا یہ بندے کی طرف سے ہیں؟ یعنی بندے نے ان کو پیدا کیا اور وجود بخشا ہے؟۔۔۔

اور قدر یہ ہے کہ وہ افعال جو چاہے اس دائرے میں ہوں جس پر انسان حاوی ہے یا اس دائرے میں جو انسان پر حاوی ہے، جو کائنات، حیات اور انسان کے مادے کی اشیاء سے یا اشیاء پر واقع ہوتے ہیں، اور فعل سے پیدا ہونے والا اثر، یعنی اس فعل پر کسی امر کا وجود میں آنا مرتب ہوتا ہے، پس انسان اشیاء میں یہ جو صفات کا سبب بنتا ہے کیا اس کو انسان پیدا کرتا ہے یا اس کا خالق اللہ سبحانہ وتعالی ہے جیسا کہ خود اشیاء کا وہی خالق ہے؟ باریک بینی سے دیکھنے والا یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ امور جو اشیاء میں رونما ہوتے ہیں، یہ اشیاء کی صفات میں سے ہیں، انسان کے فعل سے نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان ان کو صرف ان اشیاء میں ہی وجود میں لا سکتا ہے جن اشیاء کے اندر یہ صفات موجود ہوں، جن اشیاء میں یہ صفات موجود نہ ہوں، انسان ان میں جو چاہے وہ وجود میں نہیں لا سکتا۔ اس لیے یہ امور انسان کے فعل سے نہیں بلکہ اشیاء کی صفات میں سے ہیں، اللہ تعالی نے اشیاء کو پیدا کر کے ان کے اندر ان کی صفات کو اس طرح مقدر کر دیا کہ ان اشیاء سے وہی کیا جا سکتا ہے جو ان کے اندر مقدر کی گئی ہے۔۔۔

جس طرح اشیاء میں صفات پیدا کی، اسی طرح انسان میں جبلتیں اور عضویاتی ضروریات پیدا کی۔ ان جبلتوں اور عضویاتی ضروریات میں اشیاء کی صفات کی طرح خصوصیات پیدا کی، مثال کے طور پر جبلتِ نوع میں جنسی میلان کی خاصیت پیدا کی اور عضویاتی ضروریات میں بھوک کی خاصیت پیدا کی، پھر ان خصوصیات کو نظام کائنات کی سنت کے مطابق ان کے لیے لازم کیا۔ یوں یہ متعین صفات جن کو اللہ سبحانہ وتعالی نے اشیاء اور انسان میں موجود جبلتوں اور عضویاتی ضروریات میں پیدا کیا، ان کو قدر کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے تن تنہا اشیاء، جبلتوں اور عضویاتی ضروریات کو پیدا کر کے ان کے اندر یہ خصوصیات مقدر کی۔۔۔

یعنی ان کی پیدائش اور ان کے اندر متعین خصوصیات کی پیدائش اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف سے ہے، یہ بندے کی طرف سے نہیں، نہ بندے کا اس میں کوئی عمل دخل ہے، نہ مطلقاً اس پر کوئی اثر ہے۔ یہی قدر ہے۔ تب یہ کہا جائے گا کہ (قضاء وقدر) کی بحث میں قدر سے مراد اشیاء کی وہ صفات ہیں جن کے اندر انسان کام انجام دیتا ہے اور انسان کو اس بات پر ایمان رکھنا چاہیے کہ اشیاء کے اندر ان صفات کو مقدر کرنے والا اللہ سبحانہ وتعالی ہے۔۔۔]

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اسی کتاب میں (قضاء وقدر) کی بحث میں یہ کہا گیا ہے کہ قدر سے مراد (اشیاء کی وہ صفات ہیں جن کو انسان ان کے اندر انجام دیتا ہے۔۔۔)اس کے بعد انسان کی طرف سے انجام دینے اور اللہ کی طرف سے تخلیق کرنے کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ (وہ صفات جن کو انسان اشیاء میں انجام دیتا ہے کیا یہ اللہ کی تخلیق ہے،اسی نے ان کو وجود میں لایا؟ یا یہ بندے کی طرف سے ہیں؟ یعنی کیا بندے نے ان کو تخلیق کیا اور وجود بخشا ہے؟) پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا: یعنی ان کی پیدائش اور ان کے اندر متعین خصوصیات کی پیدائش اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف سے ہے، یہ بندے کی طرف سے نہیں، نہ بندے کا اس میں کوئی عمل دخل ہے، نہ مطلقاً اس پر کوئی اثر ہے۔ یہی قدر ہے۔ تب یہ کہا جائے گا کہ (قضاء وقدر) کی بحث میں قدر سے مراد اشیاء کی وہ صفات ہیں جن کے اندر انسان کام انجام دیتا ہے اور انسان کو اس بات پر ایمان رکھنا چاہیے کہ اشیاء کے اندر ان صفات کو مقدر کرنے والا اللہ سبحانہ وتعالی ہے۔۔۔)

انسان اشیاء کے حوالے سے اپنے فعل اور تجربات کے ذریعے اشیاء کی ان صفات اور خصوصیات کو معلوم کرتا ہے جن کو اللہ سبحانہ وتعالی نے اشیاء کے اندر پیدا کیا ہے یعنی انسان اللہ کی جانب سے اشیاء میں پیدا کی گئی خصوصیات کا انکشاف کرتا ہے، اگر اس چیز میں یہ خاصیت پیدا ہی نہیں کی گئی ہو تب انسان اس کے اندر اس خاصیت کو پیدا یا اس کا اظہار اور انکشاف نہیں کر سکتا۔ یہ ہم نے اوپر کتاب میں سے جو نقل کیا وہ اس بات کو بالکل واضح کرتا ہے یعنی انسان کی طرف سے پیدا کرنے کا مطلب، اگر وہ صفت اس چیز میں پیدا کی گئی ہو تو اس کا انکشاف اور اس کو معلوم کرنا ہے۔ امید ہے یہ کافی ہو گا، علم اور حکمت تو اللہ ہی کے لیے ہے۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

24 محرم الحرام 1444ھ

22 اگست 2022ء

فہرست

سوال وجواب: کرنسی کا تبادلہ (exchange)

(عربی سے ترجمہ)

محمد الزرو کیلیئے

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ آپ صحت اور خیر وعافیت سے ہوں گے۔اُمید ہے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشارت پوری ہونے کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ: کیا ایک کرنسی کا دوسری کرنسی سے اس طرح تبادلہ کرنا جائز ہے کہ میں اس میں سے کچھ بھی کیش نہ کروں اور جس سے یہ معاملہ کروں وہی اس کو کسی اور جگہ پر ٹرانسفر کرے؟ مثلاً: میں ایکس چینجر سے 1000 دینار خریدنا چاہتا ہوں، ہم دونوں سب کچھ آپس میں طے کرکے اتفاق کرلیتے ہیں، میں اسے اسی موقع پر طے شدہ رقم دیدیتا ہوں، پھر اسے یہ کہتا ہوں کہ وہ مذکورہ مال (1000 دینار) میرے قبضے میں دیے بغیر مخصوص جگہ پر بھیج دے، تو ایسا کرنا جائز ہوگا؟ یا ہمارے لیے اس پر اسی وقت قبضہ لینا یعنی کیش کرنا ضروری ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے، آپ کی مدد کرے اور ثابت قدمی نصیب کردے، اپنی نصرت سے آپ کو مضبوط کردے۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ معاملہ صرف حوالہ (transfer) پر نہیں رکتا بلکہ اس کے ساتھ یہ تبادلہ (exchange) کے معاملے پر بھی مشتمل ہے، اس لیے کہ آپ کوئی کرنسی دے کر دینار خرید رہے ہیں، مثلاً آپ اسے 1000 دینار کے لیے 3000 ریال دیتے ہو، پھر وہ اس کو آپ کی مطلوبہ جگہ کی طرف بھیجتا ہے، جہاں آپ بھیجنا چاہتے ہو، یعنی یہ معاملہ شروع میں صرف تبادلہ (exchange) کا ہے، اس کے بعد حوالہ (transfer) بن جاتا ہے۔

جہاں تک دو مختلف کرنسیوں کے درمیان تبادلہ کی بات ہے تو اس میں یہ ضروری ہے کہ ہاتھ در ہاتھ ہو، یعنی اسی وقت دونوں عاقدین کی طرف سے بیک وقت فوری قبضہ کیا جائے ورنہ حرام ہو گا:

بخاری نے سلیمان بن ابی مسلم سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابو المنہال سے دست بدست نقدی کے تبادلے کے بارے میں پوچھا۔ تو انہوں نے کہا: 'میں اور میرے ایک شریک نے ایک چیز خریدی، جس میں دست بدست ادائیگی بھی تھی اور ادھار بھی'۔ اس کے بعد براء بن عازبؓ آئے، ہم نے ان سے اس معاملے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: میں اور میرے کاروباری شریک زید بن ارقمؓ نے ایسا کیا، تو ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **«مَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ، فَخُذُوهُ وَمَا كَانَ نَسِيئَةً فَذَرُوهُ» "جو دست بدست خریدا گیا اس کو لے لو، مگر جو ادھار خریدا گیا اس کو چھوڑ دو"۔**

امام مسلم نے مالک بن اوس حدثان سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوا آیا: درہموں کا تبادلہ کون کرے گا؟ طلحہ بن عبید اللہؓ نے جو اس وقت عمر بن خطابؓ کے پاس تھے، کہا: اپنا سونا ہمیں دکھاؤ، پھر آنا۔ جب ہمارا خادم آجائے، ہم آپ کو پیسے دیدیں گے۔ تو اس پر عمر بن خطابؓ نے فرمایا: ہر گز نہیں، اللہ کی قسم! یا تو آپ اسی وقت اس کے پیسے دو گے یا پھر اس کو سونا واپس کرنا ہو گا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«الْوَرِقُ بِالذَّهَبِ رِبًا، إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا، إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا، إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا، إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ» "سونا پیسوں کے بدلے بیچنا سود ہے سوائے جب یہ معاملہ یہ لو اور یہ دو (دست بدست) کی صورت میں ہو، گندم کے بدلے گندم بیچنا سود ہے مگر جب یہ معاملہ یہ لو اور یہ دو کے طریقے پر ہو، جو کو جو**

کے بدلے فروخت کرنا سود ہے مگر جب یہ معاملہ یہ لو اور یہ دو کے طریقے پر ہو، کھجور کو کھجور کے بدلے بیچنا سود ہے مگر جب یہ معاملہ یہ لو اور یہ دو کی صورت میں ہو"۔

مسلم نے عبادہ بن صامتؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **«الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ، فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ» "سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے، ایک چیز اس کی مثل کے بدلے (فروخت کیا جائے)، ایک جیسی کے بدلے اسی جیسی چیز، ہاتھ در ہاتھ (دست بدست) برابر برابر، پس جب یہ اجناس مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیچو، بشرطیکہ دست بدست ہو"**۔ اس حدیث میں **يدا بيد**،"ہاتھ در ہاتھ" کے معنی ہیں کہ ایک ہاتھ سے دے اور دوسرے ہاتھ سے لے، تو ایک ریال لے اور دوسرا دینار لے، یہ دونوں بیک وقت ہونا چاہیے۔

جب آپ وہ دینار اپنے قبضے میں لے لیں، پھر آپ اس کو کسی بھی جگہ پر منتقل کر سکتے ہیں، خواہ اسی چینجر کے ذریعے ہو یا کسی اور کے ذریعے۔

کسی کے ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے کہ مال پر قبضہ کرنا کیوں ضروری ہے، جبکہ یہ مال عنقریب منتقل ہونے والا ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں، جن میں ایسی واضح اور تاکیدی دلالت پائی جاتی ہے جس میں کوئی شک نہیں، وہ احادیث واضح متن کے ساتھ آئی ہیں، باہمی قبضے پر ان کی دلالت بھی قطعی ہے، "هاء و هاء "یعنی"اس جیسی کے بدلے اسی جیسی"، "يدا بيد "یعنی"ہاتھ در ہاتھ" کے الفاظ آئے ہیں، یہ الفاظ دونوں کی طرف سے قبضہ ضروری ہونے پر بہت واضح ہیں، چنانچہ ان الفاظ میں کسی علت یا تاویل کی گنجائش نہیں، میں نے ان احادیث سے یہی سمجھا، باقی اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا اور اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابوالرشتہ

9 ربیع الثانی 1437ھ

منگل 19 جنوری 2016ء

فہرست

سوال وجواب: چین اور یوکرین میں امن کی پیشکش

(عربی سے ترجمہ)

سوال:

27 فروری 2023 کو العربیہ نیوز کی ویب سائٹ پر نشر ہوا (کریملین: ہم چین کے امن منصوبے کا خیر مقدم کرتے ہیں مگر تصفیہ دور ہے)، اسی طرح 27 فروری 2023 کو الیوم چینل کی ویب سائٹ پر یہ خبر آئی (کریملین کا کہنا ہے کہ روس یوکرین میں چینی امن منصوبے کو اہمیت کی نظر سے دیکھتا ہے، بقول ان کے، تجویز کی تفصیلات کا باریک بینی سے جائزہ لینے اور تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے)۔ روسی صدر، پیوٹن نے 21 فروری، 2023 کو اعلان کیا تھا ("روس نے امریکہ کی طرف سے دستخط کیے گئے نیو اسٹارٹ معاہدے میں شرکت سے معذرت کرلی ہے"۔۔۔ اناطولیہ 21 فروری، 2023)۔ یہ بیان امریکی صدر بائیڈن کی جانب سے 20 فروری، 2023 کو کیف شہر کے دورے اور یوکرینی صدر زیلنسکی سے ملاقات کے بعد سامنے آیا جہاں بائیڈن نے کہا (یوکرین کو 500 ملین ڈالر کا نیا فوجی امدادی پیکج موصول ہوگا جس کا اعلان منگل کو کیا جائے گا۔۔۔ سکائی نیوز عرب 20 فروری، 2023)۔ اس بیان سے پہلے چینی وزیر خارجہ "وانگ یی" نے میونخ امن کانفرنس میں کہا کہ چین کے پاس یوکرین میں امن کا منصوبہ ہے، انہوں نے کہا "اس جنگ کو جاری نہیں رہنا چاہیئے۔۔۔" (سی این این عرب 18 فروری، 2023)۔

سوال یہ ہے کہ کیا چین، یوکرین جنگ کو رُکوانے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ چین، یہ تجویز جنگ چھڑنے کے ایک سال بعد کیوں پیش کر رہا ہے؟ اس پیشکش کے بعد رُوس اس کا خیر مقدم کیوں کر رہا ہے اور ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ تصفیہ ابھی دُور ہے؟ کیا اس کی کامیابی کا کوئی امکان ہے؟

جواب:

درج بالا سوالات کے جواب کی وضاحت کرنے کے لیے ہم مندرجہ ذیل امور کو پیش کریں گے:

اول: روس یوکرین جنگ کے حوالے سے بااثر ممالک

1۔ امریکہ: بائیڈن کی قیادت میں امریکہ، مغربی دنیا کی قیادت کے حوالے سے یورپی شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ کیونکہ بائیڈن انتظامیہ نے ہی روسی حملے کے سامنے ڈٹے رہنے کے لیے یوکرین کو عسکری اور غیر عسکری امداد دینے کے لیے مغرب کی کوششوں کو اکٹھا کیا، روس پر اقتصادی پابندیاں لگانے کے لیے سارے مغرب کو ہم آواز کردیا، روس کی توانائی کی سپلائی لائن کو یورپ سے منقطع کرنے میں کامیاب ہو گیا، بلکہ ان کے علاوہ یورپ سے دُور ممالک جیسے جاپان، جنوبی کوریا اور آسٹریلیا کو بھی روس پر لگائی جانے والی پابندیوں میں شامل کیا، نیٹو معاہدہ کو بھی جِلا بخشی جو اس سے قبل ٹرمپ انتظامیہ کے دور میں مشکوک ہو گیا تھا۔ بائیڈن انتظامیہ نے یوکرین کو اسلحہ سپلائی کیا اور اُنہوں نے اعلان کیا کہ یوکرین میں اُن کا اصل ہدف رُوس کو شکست دینا ہے۔

2۔ یورپ کی بڑی طاقتیں: چونکہ روس کے خلاف امریکی موٴقف اور برطانوی موٴقف میں فرق کرنا ممکن نہ تھا، تو اس کے بعد جرمنی اور فرانس نے بھی یہی موٴقف اختیار کیا اور یورپ کے لیے میسر، روس کی طرف سے توانائی کی ہر سپلائی بند ہونے کے ساتھ ہی رُوس مخالف جرمن موٴقف میں بھی سختی آتی گئی، حتیٰ کہ جرمن وزیر خارجہ بیربوک نے یوکرین کو ٹینک فراہم کرنے کے لیے یورپ کو متحد کرنے کی کوشش کے دوران کہا: (ہم آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ روس کے خلاف جنگ میں کُود رہے ہیں،۔۔۔ الشروق 29 جنوری، 2023)۔ جس کو سابق رُوسی صدر مدویدیف نے "ایک مفید حماقت" قرار دیا (اناطولیہ 29 جنوری، 2023)، یعنی اس سے یہ تسلیم کر لیا گیا کہ یوکرین کی جنگ میں یورپ ایک فریق کے طور پر ہے۔ فرانسیسی صدر کی جانب سے روسی صدر سے رابطہ کرنے پر فرانس کو اتحادیوں کی جانب سے تنقید کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے فرانس بھی بالآخر روس کے خلاف اُسی کشتی میں سوار ہو گیا جس میں یورپی ممالک امریکی ایماپر سوار ہوئے تھے۔ چنانچہ اسکائی نیوز عرب کے مطابق فرانس کے صدر نے

19فروری،2023کو میونخ کانفرنس سے واپسی کے موقع پر کہا(میں چاہتا ہوں کہ روس کو یوکرین میں شکست ہو اور میں چاہتا ہوں کہ یوکرین اپنے مؤقف کے دفاع میں کامیاب ہو جائے)۔

3۔روس: طاقت کے جس پردے نے عالمی رُوسی فوج کو ڈھانپ رکھا تھا وہ ہٹ گیا اور یوکرین جنگ نے روسی فوج کی خطرناک کمزوریوں کو بے نقاب کر دیا۔ کیف کے اطراف، خارکیف میں اور آخر کار خیرسون میں شکست نے روسی فوج کو طاقت کے اس مرتبے سے گرا دیا۔ وہ رُوسی فوج جو روس کی عظمتوں کا اہم ستون مانی جاتی تھی اب عالمی سطح پر عظمت کی اُن بنیادوں میں رُوس کی صرف ایٹمی قوت ہی باقی رہ گئی ہے۔ جہاں تک روس کی معیشت کا تعلق ہے تو یہ شروع سے ہی کمزور رہی ہے۔۔۔ سیاسی طور پر تو امریکہ اور یورپ نے کافی حد تک رُوس کو عالمی سطح پر تنہا کر کے رکھ دیا ہے اور اِن سب کے علاوہ اس جنگ کے حوالے سے داخلی طور پر عدم اتحاد اس کے علاوہ ہے کیونکہ جب جنگ کے لئے زبردستی بھرتی شروع کی گئی تو بہت سے لوگ روس سے بھاگ گئے!

دوم: ان تمام عالمی تبدیلیوں کے چین پر اثرات

1۔ چین یہ جانتا ہے کہ وہ امریکی ترجیحات میں پہلے نمبر پر ہے، یعنی روس سے بھی پہلے۔ امریکہ، تائیوان کے حوالے سے چین کو چیلنج کرتا رہتا ہے اور اس کو تنگ کرتا ہے۔ امریکہ، جنوبی کوریا کے ساتھ جنگی مشقوں کے ذریعے بھی چین کو چیلنج کرتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ، ماسکو پر عائد پابندیوں کے سبب ہونے والے نقصانات کی تلافی کے اقدامات کرنے کی صورت میں بھی چین کو چیلنج کرتا ہے اور رُوس کو مہلک عسکری مدد فراہم کرنے کی صورت میں بھی چین کو چیلنج کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی امریکہ، خفیہ طور پر چین کا اقتصادی محاصرہ بھی کر رہا ہے جیسا کہ اُس نے چینی کمپنی ہُوَاوے HUAWEI اور چین کی ٹیکنالوجی کی دوسری کمپنیوں کے خلاف ایک اقتصادی جنگ برپا کر رکھی ہے۔ بلکہ جب امریکہ نے یہ کہہ کر کہ چین امریکی قومی سلامتی کے لیے خطرہ ہے، اعلانیہ طور پر عسکری مقاصد کے لیے استعمال ہونے کا بہانہ بنا کر الیکٹرانک چِپ بند کر دی۔ دوسری جانب، چین بھی امریکہ کی جانب سے جاپان کو مسلح کرنے کا مشاہدہ کر رہا ہے اور اس کو دردِ سر سمجھتا ہے کہ کہیں امریکہ اسے مزید آگے بڑھا کر چین کے لیے ایک نیا

مسئلہ نہ کھڑا کردے۔ ان کے علاوہ، دوسرے عسکری اتحاد بھی ہیں جو امریکہ ایشیا میں قائم کر رہا ہے جیسے "اوکوس" AUKUS اور "کواڈ" یہ سب بھی چین اور اس کی فوج کے لیے بڑے چیلنجز ہیں۔

2۔ وہ یورپی ممالک جو اقتصادی طور پر چین کے بڑے شراکت دار ہیں وہ بھی امریکہ کی طرح ہی ہیں، کیونکہ وہ یورپی ممالک مشترکہ ہم آہنگی کی امریکی خواہش کی طرف مائل ہوئے تھے۔ رُوس کی جانب سے یوکرین میں جنگ کی آگ بھڑکائے جانے اور روسی حملہ کے خطرے کے پیشِ نظر، براعظم کی حفاظت کرنے کے لیے یورپ کو اشد طور پر درکار امریکی دفاعی چھتری کے ظاہر ہو جانے کے بعد، اس باہمی ہم آہنگی میں جان سی آگئی۔ دوسری جانب، چین یوکرین میں روسی جنگ کے شروع ہونے کے بعد سے امریکہ کی جانب سے یورپ کی قیادت کرنے کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ کس طرح امریکہ یورپی ممالک کو چین مخالف مؤقف اپنانے کی طرف کھینچ رہا ہے۔ سرمایہ دار ممالک اور اُن کے پیروکاروں کے ساتھ مشرقی ایشیا کے "مغرب نواز" ملکوں کے الحاق کی طرف اشارہ سے "ہم خیال ممالک" کی ایک اصطلاح سامنے آئی، بلکہ مشرقی ایشیا میں "نیٹو" اتحاد کے کردار کی ترویج کی جانے لگی اور یہ چین کے لیے ایک کافی خطرناک دھمکی ہے کہ امریکہ بہت سے ممالک کو بیجنگ کے خلاف ہانک سکتا ہے۔

3۔ جہاں تک روس کا تعلق ہے، تو اس کی کمزوریاں اُسے چین کا ایک معمولی اور چھوٹا شراکت دار بنا رہی ہے خاص طور پر جب عالمی میدان روس کے لیے تنگ ہوتا جا رہا ہے کیونکہ یورپ رُوس کے تیل اور گیس کی خریداری سے دَستبردار ہو گیا ہے اور اس میں سے اب بہت قلیل معاہدے باقی ہیں جبکہ پہلے روس نے یورپ میں توانائی کی سپلائی کی شہ رَگ کو پکڑ رکھا تھا۔ امریکہ اور یورپ نے روس کے لیے اپنے دروازے بند کرنے کے بعد دوسرے ممالک کے بھی پیچھے پڑ کر اُن سے مطالبہ کیا کہ وہ روس پر عائد تیل کی قیمتوں کی پابندی کریں۔ اس طرح، یہ سب کچھ روس کے لئے چین کو ایک واحد راستے کے طور پر دیکھنے پر مجبور کرتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی توانائی اور خام مال فروخت کر سکتا ہے۔ اور اسی مجبوری کو مغرب نے "چین سے روس کی تجارتی التجا" کا نام دیا ہے۔ یہ صُورتِ حال چین کو امریکہ اور یورپ کے حوالے سے خاصی پریشان کر رہی ہے کیونکہ یہ دونوں ہی تجارتی نقطۂ نظر سے، چین کے لیے بہت زیادہ اہم ہیں۔

4۔ چین خُود بھی یوکرین جنگ کے بارے میں مبہم موقف کے سلسلے کو جاری رکھنے کے باوجود یہ سمجھتا ہے کہ اس جنگ کے نتائج اُس کے لیے خوش آئند نہیں۔ چین نے یوکرین میں جنگ شروع ہونے سے قبل روس کے ساتھ ''غیر محدود اتحاد'' کا معاہدہ کیا۔ جب امریکہ اور یورپی ممالک نے چین سے یوکرین پر روسی حملے کے خلاف موقف اختیار کرنے کا مطالبہ کیا تو چین کا مؤقف مبہم رہا تھا۔ چین نے نہ تو کھل کر روسی حملے کی حمایت کی اور نہ ہی دوسری طرف اپنے اتحادی رُوس کا ساتھ دینے کی کوئی بات کی بلکہ یہ کہتے ہوئے صرف امریکہ پر جنگ کی ذمہ داری ڈالتا رہا کہ اس نے روس کو سیکورٹی کی ضمانت دینے سے انکار کیا تھا۔ چین اس بات کا انتظار کر رہا تھا کہ روس یوکرین پر نئی صورتِ حال مسلط کر دے گا اور یوکرین کے اندر حالات اس کے قابو میں ہوں گے جس سے وہ یورپی ممالک کو روس کے نئے عالمی مقام کو قبول کرنے پر مجبور کرے گا۔ یہی چیز چینیوں کے جذبات کو ترغیب دے رہی تھی کہ اس طرح سے چین کو بھی عالمی سطح پر ایک مقام کی ضمانت مل سکے گی، خاص طور پر تائیوان میں۔ یوکرین کے میدان جنگ میں روسی فوج کی پے درپے شکست سے چینی موقف میں بھی تذبذب نمایاں ہونے لگا گویا کہ وہ روس کے ساتھ اتحاد سے پیچھے ہٹ رہا ہے۔

5۔ اُس مغربی موقف نے جس سے چین کو دُشمنی کی بُو آ رہی تھی، چین کو امریکہ اور یورپ کے خلاف اس جیسا رویہ اختیار کرنے پر نہیں اُبھارا اور چین نے رُوس کی حمایت کا اظہار نہیں کیا، کیونکہ چین کی ترقی اور عالمی سطح پر اُس کے نئے مقام کا تمام تر دار و مدار اس کی خارجی تجارت پر ہے اور اسی لئے امریکہ اور یورپی ممالک کی منڈیاں، چین کے عروج کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ معاملہ اس رُوس سے مختلف ہے جو کہ سوویت یونین کی عسکری میراث کا نمائندہ ہے۔ رُوس کے عالمی مقام کی بنیاد معیشت اور بین الاقوامی تجارت نہیں۔۔۔ تاہم چین نے ایشیا اور ایشیا سے باہر سمندروں میں روس کے ساتھ مشترکہ فوجی مشقیں بھی جاری رکھیں، شاید وہ درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہتا تھا تاکہ اگر امریکہ اور اس کے درمیان کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو اس کو روس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ چین مغربی ممالک کو بھی نہیں کھونا چاہتا جو کہ اس کی تجارت کے لیے اقتصادی شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔

سوم: یوں اس صورتِ حال نے چین کو ثالث کا کردار ادا کرنے کی کوششوں پر مجبور کیا جو فریقین کے مابین بحران کے حل کے لیے تجاویز پیش کرتا ہے اور یہ بات اگرچہ اس کے باوجود ہے کہ چین کے فریقین سے تعلقات بھی متوازن نہیں ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ چین دیکھ رہا ہے کہ روس کی جانب سے یوکرین میں جنگ کی آگ بھڑکانے کے بعد چین کی اپنی فضاؤں میں بہت سے کالے بادل چھا گئے ہیں اور یہی کالے بادل چین کی جانب سے یوکرین میں امن تجاویز پیش کرنے کی پہلی وجہ ہے۔ مگر یہ وجہ دوسری وجہ کے بغیر بار آور نہیں ہو سکتی اور دوسری وجہ یعنی روس پر غور و فکر کرنے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

1۔ روس نے اگرچہ جارحیت جاری رکھنے کا اعلان کیا، تقریباً 5 لاکھ نئے سپاہی بھی بھرتی کیے اور جنگ نئے سرے سے دوبارہ شروع کی جیسا کہ دونباس میں باخموت شہر کے ارد گرد کی صُورتِ حال ہے تاہم روس کو اس بات کا ادراک ہو رہا ہے کہ یہ جنگ جیتنا ناممکن ہے، کیونکہ روس کو صرف یوکرین کی فوج کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا بلکہ بقول روس کے، اُسے "نیٹو اتحادیوں کی قوت" کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو یوکرین کو کھلم کھلا ہلاکت خیز عسکری امداد دے رہے ہیں اور واضح طور پر روس کو یوکرین میں شکست سے دوچار کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال یہ بات تو ظاہر ہے کہ روس یہ سمجھ چکا ہے کہ امریکہ نہ صرف، یوکرین میں اُسے شکست دینے کا پُختہ ارادہ رکھتا ہے بلکہ وہ عالمی سطح پر بھی رُوس کو شکست دینے کا ارادہ کر چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فن لینڈ اور سویڈن بھی نیٹو کے نئے ممبر بننے کے قریب ہیں جبکہ یہ ممالک روس کے ہمسایہ مُمالک ہیں، دوسری طرف جرمنی، جو کہ تاریخی طور پر روس کا بدترین دشمن رہا ہے، بہت تیزی سے اپنے اسلحہ میں اضافہ کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ مشرق کی طرف جاپانی فوج بہت جلد روس کے لیے بہت بڑا خطرہ بن جائے گی، خاص کر جاپان رُوس سے کوریل کے جزیروں کی واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے جن پر دوسری جنگ عظیم کے دوران رُوس نے قبضہ کر لیا تھا۔ یوکرینی اور عالمی سطح کی یہ تمام پیشرفت رُوس پر اپنی حفاظت کر سکنے کا بھی ایک بڑا بوجھ ڈالتے ہیں اور یہ روس کی مزید کمزوری کو نمایاں کرتے ہیں، خاص طور پر اُس وقت جبکہ رُوس پر بے شمار اقتصادی پابندیاں بھی لاگو ہیں۔۔۔

2۔ روس کی کمزوری کے یہ اشارے، یوکرین جنگ کے نتائج کے نئے سرے سے اعترافات، فوج کی بگڑتی حالت، معیشت کی زَبوں حالی اور روس کے گردِ پریشان کن عالمی صورتِ حال کے تدارک کی کوشش، یہ سب وہ دوسری روسی وجوہات ہیں جو کہ پہلی وجہ یعنی چین کی جانب سے امن تجاویز کی پیشکش سے کم اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔ بالفاظِ دیگر، رُوس یوکرین جنگ کو روکنا چاہتا ہے لیکن اُسے اپنی ساکھ بچانے کے لئے کسی مناسب توجیہہ کی ضرورت ہے۔۔۔

یوں ان دونوں وجوہات کا یکجا ہونا؛ یعنی چین پر پڑنے والے اس جنگ کے عالمی منفی اثرات اور یوکرین میں کامیابی حاصل کرنے کی خواہش کے حوالے سے رُوس کی مایوسی، ان کے نتیجے میں چین نے یوکرین امن تجاویز کی پیشکش کی ہے۔ یہ صُورتِ حال ایک سال پہلے جنگ شروع ہوتے وقت نہیں تھی، ایسا لگتا ہے کہ چین کو توقع تھی کہ روس بہت جلد جنگ کا نقشہ اپنے حق میں پلٹ دے گا۔ اسی لیے چین نے جنگ کے شروع میں کسی قسم کی کوئی امن تجاویز پیش نہیں کیں مگر چونکہ اب رُوس کی جیت کے حوالے سے تقریباً ناامید ہونے اور رُوس کی جانب سے خاموشی سے اپنی ساکھ بچا کر مذاکرات کی حامی بھرنے کے بعد چین نے یہ تجاویز پیش کی ہیں۔

یہ ہے یوکرین میں چینی امن تجاویز کی پیشکش کی حقیقت؛ اس تجویز کا اِسی وقت پیش ہونا ہی اس کی دَرپردہ وجوہات کی تشریح کرتا ہے، خاص کر تجاویز میں مغرب اور یوکرین کو لالچ دینے کے لیے ملکوں کی خود مختاری کا احترام کرنے کی عبارت کا شامل ہونا۔ چنانچہ چینی وزیرِ خارجہ نے اعلان کیا کہ چین اپنی تجویز میں یوکرین کی خود مختاری کی حمایت کرتا ہے، اُنہوں نے کہا (چینی پیشکش میں تمام ممالک کی خود مختاری کا احترام کیا جائے گا) سی این این، عربی 18 فروری، 2023۔ یہ پیشکش، مذاکرات میں مغرب کے لیے لالچ کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔

چہارم: رہا یہ سوال کہ کیا چینی تجاویز کامیاب ہو سکتی ہیں یعنی یوکرین میں جنگ ختم ہو سکتی ہے تو یہ اَمر چند موثر عوامل پر موقوف ہے:

1۔ ایسا ممکن ہونا سب سے پہلے امریکی مؤقف پر موقوف ہے اور اس کے بعد یوکرین کی مدد کرنے والے یورپی ممالک کے مؤقف پر کیونکہ انہی کی پُشت پناہی کی وجہ سے ہی یوکرینی دارالحکومت کیف اور یوکرینی صدر زیلینسکی کا موقف بھی خاصا سخت ہے۔ مغرب اور یوکرین کے مؤقف کا خلاصہ یہ ہے کہ امن مذاکرات کی شرط یہ ہے کہ روسی فوج پورے یوکرین بشمول کریمیا سے انخلاء کرے، یعنی روس کے ساتھ مذاکرات خطہ کے بارے میں نہیں ہونگے بلکہ ہرجانہ اَدا کرنے اور جنگی جرائم کے مرتکب ہونے والوں کو بین الاقوامی عدالت کے سامنے پیش کیے جانے پر ہونگے۔ زمینی حقائق سے یہ لگ رہا ہے کہ یہ شرائط روس کے لیے قابلِ قبول نہیں، یعنی موجودہ محاذوں پر سیز فائر اور اسکے بعد مذاکرات۔ یقیناً روس جنگ بندی کے بعد اس طرح کی رعایتیں دینے کے لیے تیار ہے جس میں ایک طرف تو اس کی اپنی ساکھ بھی برقرار رہے گی اور دوسری طرف اس کو کچھ زمینی کامیابیاں بھی مل جائیں گی چاہے وہ برائے نام ہی ہوں اور ساتھ ہی روس پر پابندیوں کا خاتمہ اور اس کے منجمد کیے گئے اثاثوں کا بحال ہونا۔۔۔

2۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی ممالک ابھی تک چین کی اِس امن تجویز کو اہمیت نہیں دے رہے ہیں کیونکہ وہ یوکرین میں روس کی مکمل شکست کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں اور اسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ یورپی کمیشن کے سربراہ اُرسلا دیرلاین نے کہا: (ہمیں اس بات کے مزید ثبوتوں کی ضرورت ہے کہ چین روس کے ساتھ مل کر کام نہیں کر رہا، فی الحال ہمیں یہ نظر نہیں آرہا ہے؛ سی این این عربی 18 فروری، 2023)۔ امریکی وزیر خارجہ نے چین پر الزام لگایا کہ وہ روس کی مدد کر رہا ہے: (بلنکن نے اتوار کو نشر کیے گئے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ چین اس پر "سنجیدگی سے غور" کر رہا ہے کہ وہ ایک سال سے جاری یوکرین جنگ میں روس کو مہلک امداد مہیا کرے؛ القدس العربی 20 فروری، 2023)۔ یہ سب اس بات کے کافی اشارے ہیں کہ مغرب روس کو شکست دینے کے لیے یوکرین کی مدد کر رہا ہے۔

3۔ یہی وجہ کہ یوکرین میں چینی امن منصوبے سے، جس میں ممالک کی خودمختاری کے احترام کی بات کی گئی ہے، روس اپنے علاقے میں واپس جاسکتا ہے۔ تاہم یہ تجویز موجود حالات میں امریکہ اور اس کے یورپی پیروکاروں کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ اور اسی طرح یوکرین کے لیے بھی جس کو خُود اپنے معاملات پر کوئی اختیار نہیں، کیونکہ یہ امریکہ ہی ہے جو مسلسل جدید ترین اسلحے سے یوکرین کی مدد کر رہا ہے۔

امریکہ نے اپنے صدر بائیڈن کی زبانی کہا کہ روسی صدر یوکرین میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ عزم، امریکہ کے پختہ ارادہ کو ظاہر کرتا ہے، برطانیہ کا رویہ بھی ایسا ہی ہے اور اسی طرح مشرقی یورپ کے ممالک جیسے پولینڈ اور بالٹک ممالک کا بھی جو رُوس سے شدید نفرت کرتے ہیں۔۔ یعنی چینی امن تجاویز امریکہ کے لیے قابل قبول نہیں۔۔۔ روس، مغرب کے اس موقف کی وجہ سے پریشان ہے اسی لیے بیانات میں بالواسطہ طور پر ان کو قبول کرنے کا عندیہ دیتا ہے مگر کھل کر نہیں کہتا یعنی اگر ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو ایک قدم پیچھے بھی ہٹتا ہے۔۔۔ اسکائی نیوز عربی نے 27 فروری، 2023 کو اپنی ویب سائٹ پر خبر شائع کی: (کرملین نے چینی امن تجاویز کے بارے میں کہا ہے: "یوکرین میں حالات امن کے لیے سازگار نہیں" جبکہ اس نے پھر یہ کہا: (روس چین کے امن منصوبے کی قدر کرتا ہے۔۔)۔ اسی طرح الیوم ٹی وی نے 27 فروری، 2023 کو یہ نشر کیا (روس یوکرین میں چینی امن تجاویز میں دلچسپی رکھتا ہے تاہم بقول ان کے تجاویز کی تفصیلات کے تجزیئے اور باریک بینی سے چھان بین کی ضرورت ہے)۔ گویا روس اپنے آپ کو پسپائی کی راہ پر ڈال رہا ہے۔۔۔

پنجم: خلاصہ یہ ہے کہ آنے والے دونوں میں نئی پیش رفت ہو گی جس کا سَرنامہ یہ ہو گا کہ یوکرین میں جنگ ختم کرنے کے لیے چین کی پیشکش۔ جنگ شروع ہونے کے ایک سال بعد یہ چینی کوشش روس کے یوکرین کی دلدل سے نکلنے کے لیے اور اس کی وجہ سے اس کے بین الاقوامی وقار کو لاحق شدید خطرے سے بچنے کے لیے اُمید کی کرن ہے۔ یہ پیشکش اگرچہ چین کی جانب سے مصالحت کی ایک کوشش ہے مگر امریکہ یورپ اور یوکرین، ان تجاویز کو مسترد کرتے ہیں اور اس پر شک کر رہے ہیں۔

اس لیے ان تجاویز کے کامیاب ہونے کا امکان فی الحال بہت کم ہے سوائے اس کے کہ عالمی منظر نامہ بدل جائے یا روس کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ یوکرین پر کاری اور موئثر حملہ کر سکتا ہے۔ لیکن فی الحال ایسا نہیں کیونکہ امریکہ اور نیٹو نے روس کے لیے گھات لگایا ہوا ہے اور یہ ممالک روس کو کامیاب ہونے سے روکنے کے لیے مسلسل میدانِ جنگ گرم رکھے ہوئے ہیں۔

خُلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ کافر استعماری ممالک جن کو دنیا کے بڑے کہا جاتا ہے دنیا کی بھلائی کے لیے نہیں بلکہ صرف شر اور برائی کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان ہیں۔ روس یوکرین میں ہر ذی روح کو قتل کرنے کے لیے حملے کررہا ہے اور امریکہ اور یورپ اپنی فوج کے بجائے ہر یوکرینی کو جنگ کی آگ میں جھونک رہے ہیں! یعنی دونوں فریق ہر یوکرینی کو قتل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔۔۔ یوں یہ ممالک دنیا میں فساد برپا کرتے ہیں، اس قدر زیادہ خون بہنے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور صرف اپنے مفادات کو دیکھتے ہیں چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔۔۔ تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے جب روم اور فارس کی ریاستیں رَسہ کشی میں مصروف تھیں، کبھی ایک غالب آجاتا تھا تو کبھی دوسرا پچھاڑ دیتا تھا۔۔۔ ہر ایک اپنے مفادات کے لیے انسانوں کا خون چُوستا رہتا تھا۔۔۔ یہ سلسلہ اللہ سبحانہ وتعالی کی جانب سے اہلِ حق و اہلِ عدل، مسلم امت کی مدد تک جاری رہا۔ آخر اُمتِ مسلمہ کو فتح مبین نصیب ہوئی، اسلام اور مسلمان غالب آگئے اور کفر اور کفار ذلیل ہوگئے۔ ایک بار پھر اللہ کے حکم سے یہی ہونے والا ہے۔

﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾

"اور اس دن مومن خوش ہونگے۔ اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہی غالب اور رحم والا ہے"(الروم:5-4)

9شعبان 1444ہجری

01مارچ، 2023ء

فہرست

آن لائن کانفرنس—نئی سیاست نئی ریاست صرف خلافت

(ویڈیو چلانے کیلئے کلک کریں)

نُصرة

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن وسنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرمادیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)